تنظیمِ اسلامی

جولائی ۲۰۰۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

1

عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

جُرمِ ضعیفی کی سزا

برطانوی حکومت نے شاتم رسول ﷺ سلمان رشدی کو ''سر'' کا خطاب دے کر اُمت مسلمہ کے زخموں پر نمک چھڑکنے کا جو سامان کیا ہے' یہ واقعہ دراصل ان صدمات کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے جن سے نائن الیون کے بعد سے آج تک اُمت مسلمہ دوچار ہے۔ قبل ازیں گوانتاناموبے' ابوغریب جیل اور بگرام ایئربیس پر مسلمان قیدیوں کو ذہنی اذیت دینے کی خاطر امریکی فوجیوں کے ہاتھوں قرآن حکیم کی انتہائی بے حرمتی کے واقعات اور پھر نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے مغربی پریس میں توہین آمیز خاکوں کی اشاعت پر مسلمانوں کی طرف سے بھرپور احتجاج کے باوجود عالمِ کفر اُمت مسلمہ کو پرکاہ کے برابر حیثیت دینے کو تیار نہیں۔ اور اب اس شخص کو جو ننگ انسانیت بھی ہے اور اُمت مسلمہ کی نظر میں سب سے زیادہ قابل نفرت و مذمت شخص بھی' سر کے اعزاز سے نواز کر مسلمانوں کے جذبات کو انتہائی درجے میں ٹھیس پہنچانے کا جو قدم برطانیہ نے اٹھایا ہے وہ دراصل مسلمانوں کی تذلیل کی انتہا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ پوری امت اس معاملے میں حمیت و غیرتِ دینی کے حوالے سے ناموسِ رسالتؐ کے باب میں شدید جذبات رکھتی ہے' برطانوی حکومت کا اس امر پر اصرار کہ وہ سر کا خطاب واپس نہیں لیں گے دراصل اُمت مسلمہ کو صاف الفاظ میں یہ پیغام پہنچانا ہے کہ مسلمانوں کے دینی جذبات و احساسات کی ان کے نزدیک ہرگز کوئی اہمیت نہیں ہے اور وہ گویا ڈیڑھ ارب مسلمانوں کو جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مسلمان زیادہ سے زیادہ کچھ احتجاجی مظاہرے کریں گے اور مذمتی بیانات جاری کریں گے۔ اس سے زیادہ وہ کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ان میں نہ کوئی دم خم موجود ہے نہ حقیقی قوت و طاقت۔ لہٰذا ع ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات! یہ جرمِ ضعیفی ہی کی سزا ہے جو ذلت و رسوائی کی صورت میں آج پوری اُمت پر مسلط ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ایک فرمان کے مطابق دنیا کی محبت اور موت کے ڈر کے باعث اُمت

مسلمہ آج دشمن کے لیے تر نوالہ بن کر رہ گئی ہے۔ بزدلی ہی وہ بیماری ہے جس کی وجہ سے ایک طرف ہم بھارت کے سامنے بچھے جا رہے ہیں تو دوسری طرف امریکہ ہماری قومی سالمیت کو پیروں تلے روند کر ہمارے مدرسوں پر بمباری کر رہا ہے اور ہم ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگانے کے باوجود اسے روک نہیں پا رہے۔ اس صورت حال میں ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ دراصل پوری قوم اور پوری اُمت اس صورتِ حال کی ذمہ دار ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے جب مسلمان قوم اللہ کی کتاب اور اس کی تعلیمات کو نظرانداز کرے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی روش اختیار کرے' گویا اللہ' اُس کے رسولؐ اور اس کے دین کے ساتھ بے وفائی اور غداری کا ارتکاب کرے تو اس پر ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر غضب الٰہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۶۱ اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۲ میں اسی قانونِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے۔ عذاب کی اس کیفیت سے نکلنے کے لیے ہمیں اللہ کے دین سے وفاداری کی روش اختیار کرتے ہوئے شریعت اور حدود اللہ کی تنفیذ کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا ہوگا۔ پھر اللہ کی تائید و نصرت کی بدولت دنیا کی کوئی طاقت اللہ کا نام لینے والی اُمت کو ذلیل و رسوا نہ کر سکے گی۔ بصورتِ دیگر ہم اسی طرح وقفے وقفے سے احتجاج کرتے رہیں گے اور ہمیں ایک کے بعد دوسرے صدمے کا انتظار کرنا ہوگا۔ oo

سیرت النبی ﷺ

سلسلۂ تقاریر ⑤

دعوتِ محمدیؐ کا بین الاقوامی مرحلہ

اور

خلافتِ صدیقیؓ میں

انقلابِ نبویؐ کا استحکام

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء)

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (سبا)..... صدق اللہ العظیم

سیرت النبی ﷺ اور اُمت مسلمہ کی تاریخ کے سلسلے میں جو تقاریر اب تک ہو چکی ہیں ان میں پہلی دو تقریریں اصولی مباحث پر مشتمل تھیں: (۱) بعثتِ انبیاء کا عمومی مقصد کیا ہے؟ اور (۲) خاتم النبیین، آخر المرسلین، سیدالانبیاء اور افضل المرسلین محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بنیادی کیفیات کیا ہیں؟ اس کے پس منظر میں آنحضور ﷺ کے اصل کارنامۂ حیات کا صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں تین باتیں آپ کے

ذہن میں ہوں گی۔

ختم نبوت کا ایک مظہر تو یہ ہے کہ ہدایت اپنے تکمیلی مراحل کو پہنچ گئی ''الہدیٰ'' کی صورت میں ـــــ یا بالفاظِ دیگر قرآن حکیم کی صورت میں آسمانی ہدایت ہمیشہ ہمیش کے لیے نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوئی اور اس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا۔ قرآن مجید سے متعلق ان دونوں اُمور کا براہِ راست تعلق ختم نبوت سے ہے۔ ختم نبوت کا دوسرا مظہر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ایک مکمل دین اور ایک مکمل نظامِ زندگی عطا کیا گیا' جو انسان کی انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے۔ تمدن وتہذیب اور ہیئت اجتماعیہ کے ارتقائی مراحل کے دوران انسانی زندگی میں جو گوناگوں قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی چلی گئیں' ان سب کا ایک متوازن اور معتدل حل اور ایک نظامِ عدل وقسط نبی اکرم ﷺ کو دینِ حق کی شکل میں دے دیا گیا' اور آپؐ کا فرضِ منصبی یہ قرار پایا کہ اس نظامِ عدل وقسط کو بالفعل قائم کر کے دکھا دیا جائے' تاکہ بنی نوع انسان پر حجت قائم ہو جائے۔ یہ حجت صرف اس اعتبار سے قائم نہ ہو کہ ہدایتِ خداوندی انفرادی زندگی سے متعلق ہے اور صرف انفرادی سیرت وکردار کے ضمن میں کامل ہدایت ملی ہے' بلکہ نوعِ انسانی پر اتمامِ حجت اس صورت میں بھی ہو جائے کہ نظامِ اجتماعی سے متعلق بھی جو ہدایت دی گئی' اس کا بھی ایک عملی نمونہ دنیا میں قائم کر کے اور چلا کر دکھا دیا جائے کہ وہ کوئی خیالی جنت (Utopia) نہیں ہے' صرف نظری تعلیم نہیں ہے کہ جو قابل عمل نہ ہو' بلکہ وہ قابل عمل ہے' وہ نظام دنیا میں بڑے وسیع وعریض خطے پر قائم ہوا ہے اور اس کی برکات کا دنیا نے بچشمِ سر مشاہدہ کیا ہے۔

ختم نبوت کا تیسرا پہلو وہ ہے جس کے لیے آغاز میں دو آیات تلاوت کی گئیں۔ یعنی محمدؐ رسول اللہ ﷺ پہلے اور آخری نبی ورسول ہیں جن کی بعثت علی الاطلاق پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ آپؐ سے پہلے کسی نبی اور رسول کی بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے نہیں تھی۔ ویسے بھی ظاہر ہے کہ اس سے قبل انسانی تمدن نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی تھی' اور رسل ورسائل' حمل ونقل اور ابلاغ کے وسائل وذرائع بھی اتنے نہیں تھے کہ کسی

ایک دعوت پر بنی نوع انسان کو مجتمع کیا جا سکتا۔ لہٰذا نبوتیں علاقائی (regional) بھی تھیں اور موقّت بھی۔ ایک علاقے میں ایک نبی آئے‘ انہوں نے دعوت دی‘ قوم سے بایں الفاظ خطاب کیا:

﴿یٰـقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَـکُمۡ مِّنۡ اِلٰـہٍ غَیۡرُہٗ﴾ (الاعراف)

''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو‘ اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے''۔

حضرت نوح ہوں یا حضرت ہود‘ حضرت صالح ہوں یا حضرت شعیب علیہم الصلاۃ والسلام‘ قرآن میں ان کی دعوت کا ذکر بار بار اِن ہی الفاظ میں آتا ہے۔ ان کے بعد بھی بہت سے رسول آئے اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے متصلاً قبل حضرت مسیح علیہ السلام تشریف لائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان تقریباً چھ صدیوں کا وقفہ ہے‘ اور یہ نبوت و رسالت کا وقفہ ہے۔ ان چھ صدیوں میں نبوت و رسالت کا دروازہ بند رہا ہے اور پھر ایک دفعہ کھل کر ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اس لیے اس کو فترۃِ اُولیٰ کہتے ہیں۔ آخری فترۃ آنحضور ﷺ پر ہوئی اور اس سے پہلے تمہیداً چھ سو برس ایسے گزرے ہیں کہ پورے کرۂ ارضی پر کوئی نبی اور رسول موجود نہیں تھا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں ایک مغالطہ ہو سکتا ہے‘ اس لیے کہ عیسائیت جیسے کہ دنیا میں آج موجود ہے‘ ایک بین الاقوامی مذہب کی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ اس سے یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ شاید حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت کسی خاص قوم کی طرف نہیں تھی۔ اس مغالطے کی اصلاح کر لیجیے۔ قرآن مجید آپؑ کے بارے میں تعین کے ساتھ کہتا ہے: ﴿وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ......﴾ (آل عمران: ۴۹) یعنی آپؑ رسول تھے صرف بنی اسرائیل کی طرف۔ اور لطف یہ ہے کہ انجیل میں یہ الفاظ موجود ہیں:

''مَیں بنی اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں!''

حضرت مسیح علیہ السلام نے جب اپنے حواریین کو تبلیغ کے لیے بھیجا تو اُس وقت آپؑ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں انہیں کچھ ہدایات دیں۔ یہ بڑا پیارا خطبہ ہے۔ اس کے بعض

جملے اس طرح کے ہیں:

''تم نے مفت پایا ہے' مفت تقسیم کرو' مَیں نے تم سے کوئی اجرت نہیں لی' تم بھی اپنی دعوت وتبلیغ کی کسی سے اُجرت وصول نہیں کرو گے!''

ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ:

''دیکھو! کوئی شخص اپنے بچوں کی روٹی کتوں کے آگے نہیں ڈالا کرتا۔ میرے پاس ایک پیغام ہے جو صرف بنی اسرائیل کے لیے ہے''۔

لہٰذا حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت صرف بنی اسرائیل تک محدود تھی۔ یہ تو دراصل سینٹ پال تھا جس نے مسیح علیہ السلام کے اصل دین میں جہاں اور تغیر وتبدل کیا وہاں یہ تبدیلی بھی پیدا کی کہ اسے بین الاقوامی مذہب کا درجہ دے دیا۔ ورنہ نبی اکرم ﷺ اس مقدس گروہِ انبیاء ورُسل میں پہلے اور آخری نبی ورسول ہیں جن کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی طرف علی الاطلاق ہوئی۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے تو آپؐ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

اور:

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ﴾ (سبا)

''اور ہم نے تو آپؐ کو تمام نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے' لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''۔

اور ایک خطبے میں نبی اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ یہ خطبہ ''نہج البلاغہ'' میں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ بالکل ابتدائی دَور کے خطبات میں سے ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

((اِنِّیْ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ خَاصَّةً وَاِلَی النَّاسِ کَافَّةً))

''لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف بالخصوص (کیونکہ مخاطب اہل عرب ہیں) اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم!''

جیسا کہ گزشتہ نشست میں بیان کیا جا چکا ہے' بعثتِ خصوصی کی حد تک جو ذمہ داریاں تھیں وہ تو نبی اکرم ﷺ نے بنفسِ نفیس مکمل کر دیں۔ آپ ﷺ کو دو چیزیں

دے کر بھیجا گیا تھا: ایک الہدیٰ یعنی قرآن مجید اور دوسرے دین حق۔ مقدم الذکر کی تبلیغ پر آپ ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے دوران گواہی لے لی۔ اس کا ذکر گزشتہ نشست میں ہو چکا ہے کہ آپؐ نے مجمع سے دریافت فرمایا: اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ؟ ''لوگو! کیا مَیں نے پہنچا دیا یا نہیں؟'' اور جواب لے لیا: اِنَّا نَشْھَدُ اَنَّکَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّیْتَ وَنَصَحْتَ! ''ہاں حضور! ہم گواہ ہیں کہ آپ نے حق تبلیغ ادا کر دیا' حقِ نصیحت ادا کر دیا' حقِ خیر خواہی اور حقِ امانت ادا کر دیا!'' پھر آپؐ نے تین مرتبہ فرمایا: ((اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ' اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ' اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ!)) ''اے اللہ! تو بھی گواہ رہ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ! اے اللہ تو بھی گواہ رہ!'' اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ((فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ)) یعنی اب جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان تک پہنچائیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ کس قدر جامع کلمہ ہے! لفظ ''غائب'' میں وہ بھی آ گئے جو اُس وقت کرۂ ارضی پر موجود تھے اور وہ تمام انسان بھی آ گئے جو قیامِ قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ اب یہ امانت میرے کاندھے سے اُتری اور تمہارے کاندھے پر آ گئی۔ قرآن مجید میرے پاس امانت تھا' میں نے تم تک پہنچا دیا' اب یہ تمہارے پاس امانت ہے' تم اسے پوری نوعِ انسانی تک پہنچاؤ!

دوسرا پہلو ہے دین حق کا غلبہ و اقامت۔ اس اعتبار سے بھی ظاہر بات ہے کہ سارے جزیرہ نمائے عرب پر اللہ کے دین کو غالب کر دینے سے بعثتِ نبویؐ کا مقصد بتمام وکمال پورا نہیں ہوا' بلکہ اسے پورے کرۂ ارضی پر غالب کرنا مقصود ہے۔ اس اعتبار سے اپنے مقصدِ بعثت کے اس بین الاقوامی مرحلے (phase) کا آغاز رسول اللہ ﷺ نے خود بنفسِ نفیس فرما دیا اور اس کی تکمیل دورانِ خلافتِ راشدہ ہوئی۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ یا خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کو سمجھنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ خود آنحضور ﷺ نے اس کا آغاز کیسے فرمایا۔

گزشتہ نشست کا تتمہ

گزشتہ خطاب میں حیاتِ طیبہ کے مدنی دَور کے ضمن میں ایک بات رہ گئی تھی کہ

عرب میں جو یہود آباد تھے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔غزوۂ بدر' غزوۂ اُحد' غزوۂ احزاب' صلح حدیبیہ' فتح مکہ اور غزوۂ حنین' یہ مدنی دور کے چھ امتیازی نشانات (land marks) ہیں جن کے بعد جزیرہ نمائے عرب کی حد تک اللہ کا دین غالب ہو گیا۔اس ضمن میں مَیں عرض کر چکا ہوں کہ ۹ ھ میں حج کے موقع پر سورۃ التوبۃ کی ابتدائی آیات کی صورت میں یہ اعلان فرما دیا گیا کہ مشرکین کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں ہے' صرف چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے' جسے اسلام قبول کرنا ہے وہ کر لے اور جسے اپنے کفر و شرک پر اڑے رہنا ہے وہ جہاں سینگ سمائیں چلا جائے۔اس کے لیے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔آیت ۵ میں دوٹوک انداز میں اعلان فرما دیا گیا کہ:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ.....﴾

''پس جب یہ محترم مہینے ختم ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) قتل کرو ان مشرکوں کو جہاں تم انہیں پاؤ.....''

یہ معاملہ بنی اسماعیل یا اہل عرب کے لیے تھا' جبکہ یہود کے معاملے میں ایک نرمی برتی گئی۔گزشتہ نشست میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف لاتے ہی رسول اللہ ﷺ نے یہود کو معاہدوں کے اندر جکڑ لیا۔یہ بات آپؐ کے تدبر اور دُور اندیشی کا شاہکار ہے اور منٹگمری واٹ جیسے مستشرقین نے اس پر آپؐ کو حد درجہ خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔دوسری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ سولہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے جو نماز پڑھی گئی اس میں بھی حکمتِ خداوندی کارفرما تھی۔یہود یہ سمجھے کہ یہ تو ہمارے ہی پیرو ہیں' ہمارے قبلے کا اتباع کر رہے ہیں' لہٰذا ان کی طرف سے فوری طور پر مخالفت اور اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لا کر نبی اکرم ﷺ کی دعوت کی راہ میں مزاحم ہونے کا معاملہ نہیں ہوا' بلکہ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو (wait and see) کا سا عمل رہا ہے۔

بہرحال جب غزوۂ بدر ہوا تو دو اعتبارات سے یہود کے کان کھڑے ہوئے۔ایک تو اس سے متصلاً قبل تحویل قبلہ کا معاملہ ہو گیا۔حکم ہوا: ﴿فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرۃ:۱۴۴) کہ اب اپنا رُخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو! اس پر انہیں احساس ہوا کہ یہ تو بالکل نئی اُمت

ہے، جس کی نئی شریعت ہے، نیا قبلہ ہے، نیا مرکز ہے۔ دوسرے بدر کی فتح نے ان کو بھی اب پوری طرح محسوس کرا دیا کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جا سکے۔

مدینہ میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے: (۱) بنوقینقاع (۲) بنونضیر (۳) بنوقریظہ۔ ان میں سے بنوقینقاع کا پیشہ زرگری تھا۔ وہ سب سے زیادہ امیر بھی تھے اور اتفاقاً سب سے زیادہ بہادر قبیلہ بھی یہی تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کے خلاف اقدام کیا۔ غزوۂ بدر کے فوراً بعد اُن کو جوطیش آیا تو ایک یہودی نے ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی۔ ایک انصاری صحابیؓ نے جوشِ حمیت میں اس یہودی کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس انصاری صحابی کو شہید کر دیا۔ اب معاملہ بڑھا، جس کے نتیجہ میں نبی اکرم ﷺ نے فوراً اقدام فرمایا۔ پندرہ دن کا محاصرہ ہوا اور اس کے بعد بنوقینقاع کو وہاں سے جلاوطن کر دیا گیا۔ یہ یہود کا پہلا قبیلہ تھا جسے جنگ بدر کے فوراً بعد مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا۔

غزوۂ اُحد کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے بعد صورتِ حال بڑی مخدوش ہوگئی تھی۔ دشمنوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے کہ مسلمانوں سے ایسی ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے، یہ بھی انسان ہی ہیں۔ اگر بدر میں ستر مشرک مارے گئے تھے تو اُحد میں ستر مسلمان بھی شہید ہو گئے۔ اُن کے حوصلے جو بڑھے تو بنونضیر نے ایک نئی حرکت کی، اور وہ تھی نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش۔ اُن کی یہی حرکت اُن کی جلاوطنی کی تمہید بن گئی۔

تیسرا قبیلہ رہ گیا بنوقریظہ کا، اُن کے ساتھ نبی اکرم ﷺ نے بڑی نرمی برتی۔ انصار کے ساتھ ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے، خصوصاً حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اُن کے گہرے مراسم تھے۔ لیکن غزوۂ خندق کے موقع پر انہوں نے بدعہدی کی۔ وہ تو یوں کہیے کہ حکمتِ خداوندی یا مشیتِ الٰہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، ورنہ صورتحال بڑی خطرناک بن چکی تھی۔ بارہ ہزار کا لشکر سامنے تھا اور بنوقریظہ نے صاف کہہ دیا کہ ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان کوئی عہد نہیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جو اُن کے حلیف اور ان سے قریبی تعلق رکھنے والے تھے، وہی آنحضور ﷺ کے حکم سے مذاکرات کے لیے گئے

تھے۔ ان سے آپؐ نے فرما دیا تھا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو تو واپس آ کر مجمع عام میں نہ کہنا' ایسا نہ ہو مسلمانوں کی ہمتیں پست ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اشارے کنائے میں بتا دیا کہ یہود نے بدعہدی کی ہے۔ لہٰذا غزوۂ احزاب کے بعد غزوۂ بنو قریظہ ہوا اور اس قبیلے کو تورات کے احکام کے مطابق اُن کی بدعہدی کی سزا دی گئی۔ چنانچہ ان کے جتنے قابلِ جنگ مرد تھے ان کو قتل کر دیا گیا اور باقی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس طرح مدینہ منورہ سے یہودیوں کا استیصال ہو گیا۔

اس کے بعد ان کا مرکز خیبر بنا' جو پہلے سے بھی یہود کا بہت بڑا گڑھ تھا۔ یہ تینوں قبیلے جو وہاں پہنچے تو اُن کی ایک جمعیت بن گئی اور وہ اس مرکز سے مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے۔ ان ریشہ دوانیوں کو ختم کرنے اور یہود کی طاقت کو توڑنے کے لیے ۶ ھ کے اواخر میں رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا اور ان کا یہ مرکز ختم کر دیا۔ اس طرح اندرونِ ملک' جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ایک طرف مشرکین کے استیصال سے شرک کی مکمل بیخ کنی ہو گئی اور دوسری طرف یہودیوں کی طاقت بھی ختم ہو گئی۔ البتہ ازروئے: ﴿حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّہُمۡ صٰغِرُوۡنَ﴿۲۹﴾﴾ (التوبۃ) ان کے ساتھ رعایت یہ برتی گئی کہ اگر یہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں تو ان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

یہ بات ذرا سمجھنے کی ہے کہ یہ رعایت اہل عرب کو نہیں دی گئی۔ ان کے لیے دو ہی متبادل (alternatives) تھے' یا اسلام قبول کرو یا قتل کر دیے جاؤ گے۔ تیسرا اختیار یہ تھا کہ ملک چھوڑ کر چلے جاؤ تو چلے جاؤ' ملک عرب میں رہ نہیں سکتے۔ لیکن یہود کو یہ رعایت دی گئی کہ اسلام کو قبول کر لیں تو ہمارے بھائی اور برابر کے حق دار ہوں گے۔ اگر یہ قبول نہیں ہے تو وہ چھوٹے بن کر رہیں اور جزیہ دیں۔ اس طرح وہ ذمی کی حیثیت سے اسلامی مملکت میں رہ سکتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ گزشتہ نشستوں میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ جس قوم کی طرف کسی رسول کی براہِ راست بعثت ہوتی ہے' جس میں وہ رسول ہوتا ہے' جس کی زبان بولتا ہوا وہ آتا ہے' وہ قوم اگر رسول کی دعوت ردّ کر دے تو اُس قوم

کو پھر کوئی رعایت نہیں دی جاتی۔ دوسری قوم کے لیے اس بنیاد پر کوئی رعایت ہو سکتی ہے کہ اس کے اور اُن کے درمیان کوئی حجاب ہو سکتا ہے۔ چونکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی بعثت بالخصوص اہل عرب کی طرف تھی' بفحوائے آیتِ قرآنی: ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (الجمعۃ:۲) آپؐ انہی میں سے تھے' لہٰذا اہل عرب پر تو اتمامِ حجت بتمام وکمال ہو گیا۔ اُن کے لیے اب کوئی رعایت نہیں' اُن کو دوٹوک فیصلہ کرنا ہو گا' یا اسلام قبول کریں یا ملک چھوڑ کر چلے جائیں' ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ یہود کے ساتھ جو رعایت برتی گئی اس پر قیاس کرتے ہوئے بعد میں دنیا کی جتنی اقوام ہیں اُن کے ساتھ معاملہ اسی قاعدے کے تحت ہو گا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کی یہ ایک بڑی نمایاں بات ہے کہ خلافت راشدہ کے دوران جب مسلمان غلبۂ دین کی خاطر جہاد وقتال کے لیے نکلے تو ان کی طرف سے ہمیشہ تین باتیں پیش کی گئیں:

(۱) اسلام لے آؤ تو تم ہمارے بھائی ہو' تمہارے جان و مال اتنے ہی محترم ہوں گے جتنے کسی مسلمان کے ہیں۔

(۲) اگر اسلام نہیں لاتے تو جزیہ دو اور چھوٹے بن کر رہو۔ اس لیے کہ فاسد اور ظالمانہ نظام انسان کو اپنے اندر جکڑ لیتا ہے اور وہ اللہ اور بندے کے درمیان حجاب اور پردہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس غلط نظام کو ختم (shatter) کر دیا جائے گا۔ کسی فرد کو کبھی مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ اپنا مذہب ترک کرے اور اسلام قبول کرے' اس کو پوری مذہبی آزادی ہے' لیکن نظامِ اجتماعی اللہ کے دین کے سوا گوارا نہیں کیا جا سکتا' اس لیے کہ یہ بات فیصلۂ الٰہی ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ کے خلاف ہو جائے گی!

(۳) اور اگر یہ دونوں باتیں منظور نہیں ہیں تو تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی!

دعوتِ محمدیؐ کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز

اب آگے چلیے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلے کا آغاز کس طرح کیا۔ حکمت تبلیغ کے اعتبار سے پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہیے' اور یہ بہت اہم

بات ہے' کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے جیسے ہی مکہ مکرمہ میں اپنی دعوت کا آغاز فرمایا اسی وقت آپ قیصر و کسریٰ' مقوقس' نجاشی اور دیگر حکمرانوں کو خطوط بھی لکھ سکتے تھے' یہ آپؐ کے لیے ناممکن نہ تھا۔ لیکن یہاں تدریج دیکھیے کہ جب تک جزیرہ نمائے عرب میں آپ نے اپنے قدم مضبوطی سے جما نہیں لیے اور صلح حدیبیہ ہو نہیں گئی' آپؐ نے اس کام کا آغاز نہیں فرمایا۔ صلح حدیبیہ درحقیقت اس بات کی علامت ہے کہ اب قریش نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو تسلیم کر لیا' چاہے آپؐ نے بظاہر دب کر صلح کی۔ اس اعتبار سے اسے قرآن حکیم میں بھی ''فتح مبین'' قرار دیا گیا۔ یہ موقع تھا کہ اندرونِ ملک آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کا مرحلہ قریب آ گیا' چنانچہ اب آپؐ نے سلاطین وملوک کے نام خطوط کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ ہے حکمت تبلیغ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی۔ تیرہ برس تک آنحضور ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پر مرکوز رکھی اور ۱۰ نبوی میں آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ گویا جب تک اہل مکہ نے آپؐ کو قتل کرنے کا فیصلہ نہ کر لیا تھا اُس وقت تک آپؐ نے مکہ سے قدم بھی باہر نہیں رکھا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں تمکن عطا فرمایا تو پورے چھ برس مدینہ میں جدوجہد ہوتی رہی اور جب صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ کی طاقت کو تسلیم کر لیا گیا تو اب آپؐ نے مختلف بادشاہوں اور رؤساء کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔ آپؐ کے نامہ ہائے مبارک قیصر روم' کسریٰ (عظیم فارس)' مقوقس (شاہِ مصر)' نجاشی (شاہِ حبش)' رؤسائے یمن' حارث غسانی (رئیسِ شام) اور آس پاس کے تمام حکمرانوں اور سلاطین کی طرف گئے ہیں۔

ایران میں اُس وقت خسرو پرویز تختِ حکومت پر متمکن تھا اور اپنے پیشرو شہنشاہوں کی طرح ''کسریٰ'' کے لقب سے ملقب تھا۔ اس کی بدبختی کہ حضرت عبداللہ بن حذیفہ رضی اللہ عنہ جب اُس کے دربار میں خط لے کر گئے تو وہ نہایت برہم ہوا اور نامۂ مبارک کو چاک کر دیا۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھیے کہ کسریٰ عربوں کو اپنی رعیت سمجھتا تھا۔ عربوں کی اُس وقت کوئی حیثیت بھی نہیں تھی۔ اُس وقت روئے ارضی پر دو عظیم طاقتیں (سپر پاورز) تھیں' ایک سلطنتِ روما اور دوسری سلطنتِ فارس۔ عرب کے تمام زرخیز

علاقے ان کے پاس تھے۔ عراقِ عرب جو بہت زرخیز ہے' اس پر ایرانیوں کا تسلط تھا اور شامِ عرب پر رومیوں کا قبضہ تھا۔ باقی درمیان میں ''الربع الخالی'' رہ گیا۔ وہ یا تو لق و دق صحرا ہے یا حجاز کا پہاڑی علاقہ۔ یمن جو زرخیز علاقہ تھا' اس پر بھی ایران کا قبضہ تھا اور عرب کی حیثیت صرف آزاد قبائل کی سی تھی کہ حکومتیں ان کے ساتھ زیادہ تعرض نہیں کیا کرتیں' البتہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ قبائل ہمارے زیر اثر ہیں۔ چنانچہ کسریٰ کے ذہن میں بھی یہی تھا کہ عرب تو میری رعیت ہیں۔ اس نے کہا کہ ایک عرب کی یہ گستاخی کہ مجھے خط لکھا اور میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھا؟ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خط لکھے جاتے تھے ان میں بادشاہ کا نام پہلے ہوتا تھا اور مکتوب نگار کا بعد میں —— جبکہ رسول اللہﷺ کے نامۂ مبارک میں بسم اللہ کے بعد پہلے آنحضورﷺ کا نام تھا اور بعد میں شاہِ کسریٰ کا (مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی کِسْرٰی عَظِیمِ فارس) —— اس پر وہ اس قدر طیش میں آیا کہ خط پھاڑ دیا[1] اور یمن کے حاکم بازان کے نام ایک حکم بھیجا کہ اس شخص کو فوراً گرفتار کر کے ہمارے ہاں پیش کرو۔ بازان نے دو آدمی روانہ کیے جو آپﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ بادشاہوں کے بادشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔ آپﷺ نے ان ایلچیوں کو رات ٹھہرایا اور صبح خبر دے دی کہ تمہارا بادشاہ رات کو اپنے بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا ہے۔ اب تم واپس جاؤ اور اپنے گورنر سے کہہ دینا کہ جلد ہی اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔

قیصر روم کے نام رسول اللہﷺ کا نامۂ مبارک لے کر حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ گئے تھے۔ یہ وہ صحابی ہیں جو انتہائی خوبرو اور خوش شکل تھے' اور اُن کا ذکر خاص طور پر اس پہلو سے آتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ رسول اللہﷺ کے پاس انسانی شکل میں آتے تھے تو حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے تھے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ اُس وقت یہ جو دو عظیم سلطنتیں تھیں ان کا معاملہ یہ تھا کہ کبھی سلطنتِ روما کا پلڑا بھاری ہوتا تھا اور کسریٰ

---

(۱) واضح رہے کہ اُس وقت کسریٰ کے سامنے رسول اللہﷺ کے نامۂ مبارک کا ترجمہ تھا جسے اُس نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور آپﷺ کا اصل نامۂ مبارک محفوظ رہا اور آج بھی محفوظ ہے۔ (مرتب)

کو پسپائی اختیار کرنا پڑتی تھی، جبکہ کبھی ایرانی آگے بڑھتے تھے اور رومی پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ صورت واقعہ یہ تھی کہ رومی تو عیسائی (اہل کتاب) تھے اور ایرانی آتش پرست۔ اور مکی دور میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ مسلمانوں کی ہمدردیاں رومیوں یعنی نصاریٰ کے ساتھ ہیں اور ایرانی مشرکین مکہ سے قریب تر ہیں۔ ہوا یہ کہ اُس زمانہ میں ہرقل قیصرِ روم کو ایرانیوں کے ہاتھوں ایک بڑی شرمناک شکست ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکوں نے گھی کے چراغ جلائے اور بغلیں بجائیں کہ دیکھو مسلمانو! اہل کتاب پسپا ہو گئے۔ اس پر مسلمانوں کے دل بجھ گئے۔ سورۃ الروم کی ابتدائی آیات اسی موضوع پر ہیں:

﴿الٓمّٓ ۝١ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝٢ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝٣ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ﴾ (آیات ١ تا ٤)

''ا ل م۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب کی سرزمین میں۔ اور وہ اپنی مغلوبیت کے بعد جلد ہی غالب ہوں گے۔ چند سالوں میں''۔

ان آیات میں یہ خوشخبری سنا دی گئی کہ وہ مغلوب ہونے کے بعد پھر غالب ہو جائیں گے اور یہ صرف چند سالوں میں ہو گا۔ یہ ایک پیشین گوئی تھی جو سچ ثابت ہوئی اور ٹھیک نو سال بعد یہ واقعہ ہوا کہ اِدھر مسلمانوں کو معرکۂ بدر میں فتح ہوئی اور اُدھر قیصر روم کو کسریٰ کے مقابلے میں فتح ہوئی۔ چنانچہ اہل ایمان کے لیے یہ دوطرفہ خوشی تھی۔ تو اس پس منظر کو ذہن میں رکھئے۔

حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک لے کر چلے تھے۔ جب آپ دِمشق کے قریب پہنچے تو ان کو پتا چلا کہ ہرقل ان دنوں یروشلم میں ہے۔ وہ پاپیادہ چل کر شکرانہ ادا کرنے کے لیے بیت المقدس آیا تھا۔ رئیس شام حارث غسانی نے حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہرقل کے پاس بیت المقدس بھیج دیا اور آپؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک اسے پہنچا دیا۔ قیصر روم ہرقل خود تورات و انجیل کا عالم تھا، لہٰذا خط پڑھتے ہی جان گیا کہ یہ وہی آخری رسول ہیں جن کی بعثت کی ہمارے ہاں پیشین گوئیاں ہیں۔ اس کو بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی، لیکن اس نے کوشش یہ کی کہ جس

طرح کبھی رومۃ الکبریٰ کے شہنشاہ قسطنطین (Constantine) اور اس کی پوری رعایا نے مجموعی طور پر (en bloc) عیسائیت قبول کر لی تھی اسی طرح اب پوری سلطنت روما اسلام قبول کر لے اور میرا اقتدار برقرار رہے۔ اس نے اپنے سرکردہ لوگوں سے یہ معلوم کروایا کہ ان دنوں عربوں کا کوئی تجارتی قافلہ تو نہیں آیا ہوا؟ اُس زمانے میں ابوسفیان (جو اُس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے) ایک تجارتی قافلے کے ساتھ وہاں ٹھہرے ہوئے تھے' ان کو طلب کیا گیا اور پوری شان وشوکت کے ساتھ دربار منعقد ہوا۔ قیصر نے اپنے تمام نائبین سلطنت بھی بلا لیے' بطارقہ' قِسّیسین اور احبار و رہبان کو بھی حسب مراتب بٹھایا گیا اور ابوسفیان کو ان کے ہمراہیوں سمیت بلایا گیا۔ پہلے تو دربار میں نبی اکرم ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھ کر سنایا گیا۔ اس کے بعد قیصر نے ابوسفیان سے اس انداز میں سوالات کیے کہ حاضرین کے لیے حق کو پہچان لینا بالکل آسان ہو جائے۔ گویا اُس نے بھرے دربار میں چاہا کہ حق واضح ہو جائے۔ اس نے آنحضور ﷺ کے بارے میں سوالات کیے کہ یہ کون صاحب ہیں؟ ان کا خاندان کیسا ہے؟ ان کے خاندان میں کسی اور نے بھی کبھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ ان تمام باتوں کا جواب ابوسفیان نے دیا۔ ان کا ایک قول ملتا ہے' جو ایمان لانے کے بعد کا ہے' کہ اس مکالمے کے دوران کئی بار میرا جی چاہا کہ جھوٹ بول دوں۔ اس لیے کہ ہرقل کی جرح ایک بڑے ماہر کی جرح تھی' اور وہ ہر وہ بات اگلوا رہا تھا جس سے ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں میں نے سوچا کہ میرے ساتھی کیا کہیں گے کہ قریش کا اتنا بڑا سردار جھوٹ بول رہا ہے' لہٰذا میں جھوٹ نہ بول سکا۔ ہرقل نے یہ سوال بھی کیا کہ کہیں اُن کے خاندان میں بادشاہت تو نہیں رہی کہ اس کھوئی ہوئی بادشاہت کو حاصل کرنے کے لیے یہ مذہبی سٹنٹ کھڑا کیا ہو؟ آنحضور ﷺ کے اخلاق و کردار کے متعلق جب اس نے سوال کیا تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ انہوں نے آج تک کوئی جھوٹ نہیں بولا' کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ایک سوال اس نے یہ بھی کیا کہ اس کے پیروکاروں میں اکثریت غرباء کی ہے یا امراء کی؟ جواب ملا غرباء کی! پھر پوچھا: جو شخص اُن پر ایمان لے آتا ہے

کبھی واپس بھی پھرتا ہے؟ جواب ملا آج تک کوئی واپس نہیں پھرا۔ قیصر نے آپ ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں دریافت کیا تو ابوسفیان نے کہا: ''وہ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو' کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ' نماز پڑھو' پاک دامنی اختیار کرو' سچ بولو' صلہ رحمی کرو''۔

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ اس مکالمہ کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے یہ تبصرہ کیا:

''تم نے اس کو شریف النسب بتایا' پیغمبر اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا' اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا' جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے! تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے (تو) پیغمبر کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے' سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا' پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ وعفاف کی ہدایت کرتا ہے' اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے' لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا''۔

یہ ہے ہرقل قیصر روم کا تبصرہ جو کتب سیر میں محفوظ ہے۔

جب اہل دربار پر یہ بات واضح ہوگئی کہ ہرقل کا جھکاؤ اسلام کی جانب ہے اور وہ مسلمان ہوا چاہتا ہے' تو اب دربار میں شور برپا ہو گیا۔ عمائدین سلطنت اور اَحبار و رُہبان کے نتھنے غیظ وغضب کے باعث پھولنے لگے اور ان کی آنکھیں برہمی وغصہ سے انگارے اُگلنے لگیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہرقل کو اپنے اقتدار کا خطرہ محسوس ہوا اور یہ چیز اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی۔ اُس کو اپنی حکومت زیادہ عزیز تھی۔ چنانچہ اس نے عربوں کو دربار سے اٹھا دیا اور رسول اللہ ﷺ کے سفیر حضرت دِحیہ کلبیؓ کو کسی جواب کے

بغیر واپس جانے کا حکم سنا دیا۔ اس نے اپنے عمائدین سلطنت اور پادریوں سے کہا کہ مَیں تو تمہارے ایمان کی آزمائش کے لیے یہ مکالمہ کر رہا تھا کہ تم لوگوں میں ایمان موجود ہے بھی یا نہیں! اس طرح ہرقل محروم رہ گیا اور ایمان نہ لا سکا۔

مقوقس شاہِ مصر کی طرف حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ گئے۔ وہ بھی عیسائی تھا اور اس نے بھی نبی آخر الزمان ﷺ کو پہچان لیا۔ اگرچہ ایمان وہ بھی نہیں لایا' لیکن اس نے حضرت حاطبؓ کے ساتھ بڑے اکرام و تعظیم کا معاملہ کیا اور آنحضور ﷺ کی خدمت میں دو لڑکیاں بطورِ تحفہ ارسال کیں۔ یہ حضرت ماریہ قبطیہ اور حضرت شیریں ؓ تھیں۔ دونوں ایمان لے آئیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضرت ابراہیم تولد ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کا گھوڑا دُلدُل بھی مقوقس ہی کا بھیجا ہوا تھا۔

حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا جو مکتوب ارسال فرمایا اس کے جواب میں اُس نے عریضہ بھیجا کہ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں''۔ حضرت جعفر طیار ؓ جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے' یہیں موجود تھے' نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر لی۔

غزوۂ موتہ

شرحبیل بن عمرو جو رؤسائے شام میں سے تھا' اس کے پاس آنحضور ﷺ کے ایلچی حضرت حارث بن عمیر ؓ گئے۔ اُس نے طیش میں آ کر ان کو شہید کر دیا۔ سفیر کا قتل ہمیشہ سے ایک بہت بڑا جرم ہے اور اسے اقدامِ جنگ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ بات سلطنتِ روما سے مسلح تصادم کی تمہید بن گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے تین ہزار کا لشکر تیار کیا' حضرت زید بن حارثہ ؓ کو اس کا علَم دیا اور فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب ؓ علَم سنبھال لیں' اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاری ؓ علَم سنبھال لیں۔ اگرچہ لشکر میں بڑے بڑے صحابہؓ موجود تھے' لیکن آنحضور ﷺ نے سپہ سالار بنایا حضرت زید بن حارثہ ؓ کو' تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام یہ ساری اونچ نیچ ختم کر چکا ہے' قریش کی قرشیت اور ایک آزاد کردہ غلام کے مابین اسلام میں کوئی فرق نہیں

ہے۔ اس تین ہزار کے لشکر کے سامنے شرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کی تیار فوج لے کر آ گیا۔ دُنیوی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ گویا ایسے ہی ہے جیسے پاکستان کی امریکہ سے جنگ چھڑ جائے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک لاکھ کا لشکر آ رہا ہے تو انہوں نے مجلس شوریٰ منعقد کی کہ اب کیا کیا جائے؟ اس مشاورت میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا کہ ہم دنیا کے طالب ہو کر نہیں نکلے، فتح اور شکست سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہمارا مقصد تو شہادت ہے اور اس سے بلند اور مقصد کیا ہوگا؟ اس خطاب کا یہ اثر ہوا کہ جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ چنانچہ جوشِ ایمانی اور شوقِ شہادت سے سرشار یہ مختصر سا لشکر ایک لاکھ کی فوج سے ٹکرا گیا۔ امیر لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علَم سنبھال لیا۔ جنگ کے دوران ان کے جسم پر نوے زخم آئے اور ان میں سے کوئی پیٹھ پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ کٹ گیا تو دوسرے میں علَم سنبھال لیا۔ جب دوسرا بھی کٹ گیا تو دونوں کٹے ہوئے ہاتھوں سے علَم اپنے سینے سے لگا لیا تا کہ علَم ان کے جیتے جی زمین بوس نہ ہو۔ یہ صورت حال دیکھ کر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر علَم اپنے ہاتھ میں لیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ زخموں سے چور چور ہو کر زمین پر گر پڑے اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے دونوں بازوؤں کے عوض جنت میں دو پر عطا فرما دیے جن کے ذریعے وہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ اسی لیے ان کا لقب جعفر طیار اور جعفر ذوالجناحین پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی بے جگری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

اس کے بعد صحابہؓ نے سیف من سیوف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار منتخب کیا۔ انہوں نے علَم سنبھالتے ہی نہایت پرزور جنگ کی۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ جنگ موتہ کے روز میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں، پھر بس ایک چھوٹی سی یمنی تلوار باقی بچی۔ اس نازک صورت حال میں حضرت خالدؓ ایک ایسی جنگی چال کی ضرورت محسوس کر رہے تھے جس کے ذریعے رومیوں کو مرعوب کر کے اتنی کامیابی کے ساتھ مسلمانوں کو

پیچھے ہٹا لیا جائے کہ رومیوں کو تعاقب کی ہمت نہ ہو' جس میں وہ کامیاب رہے اور بڑی حکمت عملی سے لشکر کو بچا کر واپس لے آئے۔ یہاں مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ عورتیں باہر نکل آئیں اور خاک ڈالی گئی کہ تم اللہ کے راستے میں پیٹھ دکھا کر واپس آئے ہو۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کو جب یہ خبر ملی تو آپ ؐ بنفس نفیس مدینہ سے باہر تشریف لائے' بڑے تپاک سے فوج کا استقبال فرمایا اور یہ ارشاد فرما کر ان کو تسلی دی کہ تم مفرور نہیں ہو' بلکہ دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو۔ جیسا کہ سورۃ الانفال (آیت ۱۶) میں الفاظ آئے ہیں۔ چنانچہ اگر حکمت عملی کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ جان بچانا مقصود نہ ہو۔

غزوۂ تبوک

غزوۂ موتہ کے بعد اب سلطنت روما کے ساتھ ٹکراؤ شروع ہو گیا۔ اس معرکے نے غسانیوں اور رومیوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کو خوف لاحق ہو گیا کہ مسلمان چین سے بیٹھنے والے نہیں ہیں' وہ یقیناً دوبارہ حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایک طرف غسانیوں نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں' دوسری طرف ہرقل نے بھی اپنی چالیس ہزار فوج شام بھیج دی اور خود ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ حمص پہنچ گیا۔ ادھر نبی اکرم ﷺ نے بھی فوج کی تیاری کا حکم دے دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ ﷺ کی طرف سے نفیر عام ہوئی کہ ہر وہ مسلمان جو جنگ کے قابل ہے' نکل کھڑا ہو۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ہر ایک کے لیے نکلنا لازم ہو۔ ترغیب وتشویق ہوتی تھی کہ اللہ کی راہ میں نکلو اور نبی اکرم ﷺ درپیش مہم کے لیے مطلوبہ تعداد کے مطابق خود انتخاب فرما لیتے تھے۔ لیکن اس مہم کے لیے حکم ہوا:

﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ (التوبۃ: ۴۱)

''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بھاری اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں''۔

سورۃ التوبہ میں غزوۂ تبوک کے حالات و واقعات پر مفصل تبصرہ موجود ہے۔ اس

ضمن میں یہ بھی فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾﴾ (التوبۃ)

''اے اہل ایمان! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو زمین کا بوجھ بن جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دُنیوی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ پس آخرت کے مقابلے میں تو دُنیوی زندگی معمولی متاع سے زیادہ نہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے''۔

اب آپ اندازہ کر لیں کہ امتحان کس قدر کٹھن تھا! مدنی دور میں مسلمانوں کے لیے ایک تو غزوۂ احزاب اور دوسرے غزوۂ تبوک عظیم ترین آزمائش کے مراحل تھے۔ ۹ھ میں جب غزوۂ تبوک کے لیے نفیر عام ہوئی تو سخت گرمی کا موسم تھا اور قحط کا عالم تھا۔ کھجور کی فصل تیار تھی۔ نکل جاتے ہیں تو فصل اٹھانے والا کوئی نہیں ہوگا اور فصل تباہ ہو جائے گی' لگ بھگ سات سو میل کا سفر طے کرنا ہے' ہر ایک کے پاس سواری بھی موجود نہیں ہے ـــــ اور پھر یہ ٹکراؤ ہے سلطنت روما کے ساتھ۔ اب تک تو معاملہ ایک اور تین کا تھا۔ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں یہی تناسب تھا۔ غزوۂ خندق میں ایک اور دس کا تھا' لیکن یہاں تو کوئی نسبت ہی نہیں۔ مقابلہ سلطنت روما سے ہے۔ ان کے پاس لاکھوں کی تربیت یافتہ فوج ہے اور یہاں دُنیوی اعتبار سے اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ اہل ایمان کے ایمان کی پوری آزمائش ہوگئی اور منافقین کا پردہ چاک ہوگیا' جو خود بھی جنگ کے لیے نکلنے سے جی چراتے تھے اور دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے تھے۔ وہ اہل ایمان سے بڑے ہی ناصحانہ انداز میں کہتے تھے: ﴿لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ ؕ﴾ ''اس

سخت گرمی میں نہ نکلو!'' اُن کے مقابلے میں مسلمانوں سے جواب دلوایا گیا کہ: ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ﴾ (التوبۃ:۸۱) ''(اے نبیؐ!) کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے''۔ اب خود دیکھ لو' یا یہ گرمی برداشت کر لو یا وہ (جہنم کی)۔ بعض لوگوں نے اس طرح کے فقرے چست کیے جو غزوۂ بدر کے موقع پر بھی کہے گئے تھے: ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ﴾ (الانفال:۴۹) ''ان کے دین نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے''۔ ان لوگوں کی تو مت ماری گئی ہے' یہ لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ جواب دلوایا گیا:

﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾﴾ (التوبۃ)

''کہو تم ہمارے متعلق دو بھلائیوں میں سے کسی ایک ہی کے منتظر ہو سکتے ہو' جبکہ ہم تمہارے متعلق اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا تمہیں اپنے کسی عذاب میں مبتلا کرے یا ہمارے ہاتھوں سزا دے' پس تم انتظار کرو' ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں''۔

گویا ہماری تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اگر ہم سب شہید ہو جائیں تو بہت بڑی کامیابی ہے اور اگر کامیاب ہو کر لوٹ آئے تو تم بھی مانو گے کہ کامیاب ہیں۔ ہمارے لیے تو ناکامی کا کوئی سوال ہی نہیں!

بہرحال نبی اکرم ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ منزل پر منزل طے کرتے ہوئے شام اور عرب کی سرحد (تبوک) تک پہنچ گئے۔ ہرقل پانچ چھ لاکھ کی فوج کے ساتھ موجود تھا' لیکن مقابلے میں نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پہچان چکا تھا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں۔

غزوۂ موتہ میں بھی وہ پیچھے ہی رہا تھا اور خود دیکھتا رہا کہ نتیجہ کیا نکلتا ہے' اور اب تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس آ گئے تھے۔ چنانچہ وہ طرح دے گیا اور اس نے سرحد سے

تمام فوجیں واپس ہٹا کر مسلح تصادم کا ہر امکان روک دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اس سے زائد اقدام نہیں فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس دن تک مقیم رہے تاکہ قیصر روم اگر مقابلے میں آنا چاہے تو آئے۔ اس طرح لشکر اسلام کو زبردست اخلاقی اور نفسیاتی فتح حاصل ہوئی۔ اس دوران آس پاس کے رؤساء آتے رہے' کسی نے اسلام قبول کر لیا اور کسی نے اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح آنحضور ﷺ پورے علاقے پر اپنی دھاک قائم کر کے واپس تشریف لے آئے۔

اس کے بعد جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا ہے تو سلطنت روما سے ٹکراؤ کے لیے جیش اسامہؓ تیار تھا۔ گویا سلطنتِ روما کے ساتھ تصادم کا آغاز خلافتِ راشدہ میں نہیں ہوا' اس پورے عمل کا آغاز محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس فرمایا ہے۔ جیش اسامہ صرف اس وجہ سے رکا رہا کہ نبی اکرم ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ یہ ہے دراصل اس عمل کا نقطۂ آغاز جو بعد میں دورانِ خلافت راشدہ اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔

خلافتِ صدیقی میں انقلابِ نبویؐ کا استحکام

اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ خلافت راشدہ درحقیقت خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہے۔ میں اِن شاء اللہ آئندہ اس کے بعض انتہائی اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالوں گا۔ اسلامی تاریخ کے بارے میں جو مغالطے ان لوگوں کے دلوں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں جو اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں' ان کا ازالہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت خلافت راشدہ سے بدظنی پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ بعض نوجوان یہ کہتے ہوئے ملیں گے کہ خلافت راشدہ میں کیا رکھا تھا' سارا زمانہ باہمی خانہ جنگی کی نذر ہو گیا! یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اگر خلافت راشدہ کی نفی ہو جائے تو نبی اکرم ﷺ کے پورے کارنامے کی نفی ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ اصل حجت تو یہ ہے کہ ایک اجتماعی نظام کو چلا کر دکھا دیا جائے' اور یہ تقاضا اگر بتمام و کمال پورا ہوا ہے تو وہ

دورانِ خلافت راشدہ پورا ہوا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی اپنی حیاتِ طیبہ میں تو انقلاب کی تکمیل ہوئی تھی‘ ابھی اس کی برکات کا ظہور پورے طور پر نہیں ہوا تھا۔

کسی بھی انقلاب کے بعد اس کو مستحکم (consolidate) کیا جاتا ہے‘ اس کے بعد اس کی برکات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اللہ کی مشیت تھی اور سب سے بڑھ کر نبی اکرم ﷺ کا اختیار (choice) تھا‘ کہ آپؐ نے اس دنیا میں مزید قیام کرنا گوارا نہ کیا‘ ورنہ ہمارا تو جی چاہتا ہے کہ آنحضور ﷺ اپنے انقلاب کی تکمیل کے بعد کچھ اور عرصہ اس دنیا میں مقیم رہتے‘ تاکہ جو لوگ ایک کثیر تعداد میں ایمان لائے تھے اور جن کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے: ﴿وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴾ (النصر) ان لوگوں کی بذاتِ خود تربیت فرماتے۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد ہر وہ لمحہ جو اس دنیا میں بیت رہا تھا وہ آپؐ پر انتہائی شاق تھا۔ بس جوں ہی فرضِ منصبی کی تکمیل ہوئی‘ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ کا فریضہ مکمل ہوا‘ ادھر اللہ کی طرف سے اس کی شہادت بھی آ گئی کہ: ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾ (المائدۃ:۳) اور ادھر آنحضور ﷺ نے لوگوں سے بھی شہادت لے لی کہ: ’’اِنَّا نَشۡھَدُ اَنَّکَ قَدۡ بَلَّغۡتَ وَاَدَّیۡتَ وَنَصَحۡتَ‘‘ اور آنحضور ﷺ نے ((اَللّٰھُمَّ فِی الرَّفِیۡقِ الۡاَعۡلٰی)) کہہ کر اس دنیا سے رخصت کی درخواست کر دی۔

ویسے تو نبی اکرم ﷺ کو اس حیاتِ دُنیوی کے دوران بھی اللہ سے کوئی بُعد نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کی معیت اور قرب بتمام و کمال حاصل تھا۔ پھر بھی ایک حجاب اور پردہ تو موجود تھا‘ لہٰذا آپ اب مزید وقت کے لیے دنیا میں رہنے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے بعد کل ۸۰‘۸۲ دن ہیں جو آپ ﷺ کے اس حیاتِ دُنیوی میں گزرے۔ مرض الموت کے دوران جب ذرا افاقہ ہوا تو آپ ﷺ حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے‘ انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے اشارے سے منع فرما دیا اور خود حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اب یہ معاملہ تھا کہ آنحضور ﷺ کی امامت میں حضرت ابوبکرؓ رکوع و سجود کر رہے ہیں اور ابوبکرؓ کی

امامت میں ساری جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔اس کے بعد آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس کے الفاظ یوں ہیں: ''اللہ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دے دیا ہے کہ وہ چاہے تو دنیا میں رہے اور اس کی نعمتوں میں سے حصہ پائے' اور چاہے تو اللہ کے پاس آ جائے۔اللہ کے بندے نے دوسری بات قبول کر لی!''—— حضرت ابوبکرؓ رو پڑے۔ چونکہ وہ مزاج شناسِ رسول تھے' اس لیے بات کو سمجھ گئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا جو آخری وقت ہے اس میں ایک تو یہ الفاظ بار بار زبان پر آئے: ﴿مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ (النساء:۶۹) ''اُن انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ جن کو اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا''—— اور آخری وقت کے جو الفاظ مروی ہیں وہ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى—— اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى

میں سوچا کرتا ہوں کہ اگر میدانِ حشر میں کہیں موقع ملا تو رسول اللہ ﷺ سے شکوہ کریں گے کہ آپؐ نے اس سلسلہ میں جذبۂ محبت خداوندی کے غلبے کی وجہ سے جلدی کی۔ابھی یہاں بڑی ضرورت تھی کہ انقلاب کا استحکام ہوتا اور مبتدی لوگوں کی تربیت ہوتی۔ پھر ان نئے ایمان لانے والے قبیلوں کو کسوٹی پر پرکھا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد ﴿يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا﴾ کی بجائے ''يَخْرُجُوْنَ مِنْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا'' کا معاملہ ہو گیا اور لاکھوں لوگ مرتد ہو گئے۔ ارتداد کا فتنہ کوئی فتنہ سا فتنہ تھا! نئے نبیوں کا دعوائے نبوت شروع ہو گیا۔مسیلمہ کذاب کے ساتھ بہت بڑی جنگ ہوئی۔ مانعینِ زکوٰۃ اُٹھ کھڑے ہوئے کہ نماز پڑھوا لو لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یہاں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی سیرتِ مبارکہ کا یہ پہلو سامنے آتا ہے کہ اس نحیف الجثہ شخصیت کے پردے میں کیسی چٹان جیسی مضبوط اور پہاڑ جیسی بلند شخصیت موجود تھی۔شاید حکمتِ خداوندی میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی فضیلت کا اظہار مقصود تھا کہ مدعیانِ نبوت اور مانعینِ زکوٰۃ جیسے عظیم فتنے کھڑے ہو گئے' ورنہ شاید دنیا کو معلوم نہ ہوتا کہ ابوبکر ؓ کی رقیق القلب شخصیت کے اندر کیسا فولادی انسان پنہاں ہے!

یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ ہر انقلاب کے بعد اس کا ایک ردِّعمل ضرور ہوتا ہے اور انقلاب مخالف عناصر ابھرتے ہیں۔ مخالف قوتیں جب دیکھتی ہیں کہ ہم اس انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتے تو وہ دبک جایا کرتی ہیں اور اپنے اوپر اس انقلاب کا لبادہ اوڑھ لیتی ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ موقع کی تاک میں رہتی ہیں کہ جب بھی موقع ملے گا ہم مناسب اقدام کریں گے۔ ان قوتوں کو reactionary forces یا counter revolutionary movements کہتے ہیں۔ ایسی قوتوں کے لیے اس سے زیادہ سازگار فضا اور کیا ہوگی کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں صدمے کی کیفیت کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کا تصور بھی نہیں کرتے ہوں گے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی ہم سے جدا ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حال ہوگیا کہ جذبات سے مغلوب ہو کر تلوار سونت کر بیٹھ گئے کہ جس شخص نے کہا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے مَیں اس کی گردن اڑا دوں گا' اور جلالِ فاروقی کے سامنے کس کو دم مارنے کی مجال تھی؟ تمام لوگ دم بخود تھے۔ اس نازک صورت حال کو سنبھالنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آئے' سیدھے حجرے میں گئے' آپ ﷺ کے جسدِ اطہر کو بوسہ دیا اور خطبہ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

اَلا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ ' وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ(۱)

''خبردار! جو کوئی محمد ﷺ کی بندگی کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا تھا تو (اسے مطمئن رہنا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ زندہ ہے' اسے موت نہیں آئے گی!''

ذرا اندازہ تو کیجیے کہ اُس وقت جو صورت حال درپیش تھی اس میں یہ جملہ کہنے کے لیے کس قدر حوصلہ درکار تھا! اس کے لیے چیتے کے جگر کی ضرورت تھی۔ یہ وہی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی رقیق القلبی کا یہ عالم ہے کہ غزوۂ بدر میں مشورہ دیا کہ ان قیدیوں کو معاف کر دیا

(۱) صحیح البخاری' کتاب المناقب' باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا۔

جائے۔ جن کی رائے اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رائے میں کوئی فرق نہیں۔ پوری تاریخ کے دوران کہیں آپ کو یہ نظر نہیں آئے گا کہ آنحضور ﷺ کی رائے ایک ہو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دوسری ہو۔ یہ ان ہی کا مقام تھا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد مذکورہ جملہ کہہ سکتے۔ یہ جملہ وہی کہہ سکتا ہے جس کے روئیں روئیں میں توحیدِ خداوندی رچ بس گئی ہو۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴﴾ (آل عمران)

''اور محمدؐ تو ایک رسول ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا مارے جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اور جو بھی الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچائے گا' اور اللہ بدلہ دے گا شکر گزاروں کو''۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار نیام میں چلی گئی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہ آیت اُسی وقت نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس قدر شواہد موجود ہیں کہ جب تک کوئی شخص ڈھٹائی' ضد اور تعصب کی پٹی اپنی آنکھوں پر نہ باندھ لے وہ ابوبکرؓ کی خلافت کا انکار نہیں کر سکتا۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں امامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمائی' اور اس امامت کو آج کی امامت پر قیاس نہ کیجیے گا۔ وہ ہماری یہ امامت نہ تھی جس کے بارے میں علامہ اقبال مرحوم کہہ گئے ہیں: ؎

قوم کیا چیز ہے' قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

وہ دو رکعت کی امامت نہ تھی' وہاں دین و دنیا کی وحدت تھی۔ مسجد نبوی کے امامِ اوّل محمدؐ رسول اللہ ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران ہی خلیفۂ رسول نے

امامت کرائی۔ آنحضورﷺ نے مسجد نبویؐ کے صحن میں تمام جھروکے بند کروا دیے تھے سوائے حضرت ابوبکرؓ کے جھروکے کے۔ آپﷺ نے مرض الموت میں خطبہ ارشاد فرمایا کہ ابوبکرؓ کی جان و مال نے مجھے جتنا فائدہ پہنچایا کسی اور کی جان و مال نے نہیں پہنچایا۔ ان تمام شواہد کے بعد بھی اگر یہ کہا جائے کہ راہنمائی نہیں تھی تو کتنا غلط ہے! اگرچہ یہ ضرور ہے کہ حکم موجود نہیں تھا۔ آپؐ یہ معاملہ ﴿اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کے اُصول پر چھوڑ گئے کہ اب مسلمانوں کا معاملہ ان کے حوالے ہے۔ محمدؐ رسول اللہﷺ نے ایک اُمت تشکیل دی، اور وہ ایسی اُمت نہیں ہے کہ جسے شعور نہ ہو اور وہ برے بھلے کی پہچان سے عاری ہو۔ جماعتِ صحابہ رضی اللہ عنہم وہ جماعت تھی جس کی تربیت نبی اکرمﷺ نے فرمائی۔ اور یہ جماعت جانتی تھی کہ کون کس چیز کا اہل ہے۔ لہٰذا اُس وقت جو سب سے زیادہ اہل تھا اُس کو منتخب کر لیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کا بار اٹھانے کے بعد لوگوں کو تاکید کی کہ نہ تو مجھے خلیفۃ اللہ کہا جائے اور نہ ہی خلیفۃ المسلمین، میں تو خلیفۃ الرسول (اللہ کے رسول کا خلیفہ) ہوں۔ یعنی جو مشن محمدؐ رسول اللہﷺ کا تھا اُسی کی تکمیل میرا مقصدِ زندگی ہے۔ خلافتِ راشدہ عام معنی میں ہیئت حاکمہ نہیں تھی کہ صرف مسلمانوں کی حکومت ہو اور قیامِ امن کے لیے کوئی انتظام ہو۔ یہ اُمور بھی اُس کے اجزاء میں شامل تھے، لیکن اصل مقصد محمدؐ رسول اللہﷺ کے مشن کی تکمیل تھا۔ اسی لیے اس کو ''خلافت علیٰ منہاج النبوۃ'' کہا گیا ہے۔

جیسا کہ قبل ازیں عرض کیا گیا، نبی اکرمﷺ کی دو بعثتیں ہیں، ایک اِلٰی اَھْلِ الْعَرَب اور دوسرے اِلٰی کَافَّۃ النّاس. اہل عرب کی حد تک تمام فرائض نبی اکرمﷺ نے خود ادا کر دیے، اور دوسرے عمل کا آغاز فرما کر آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اب اس عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے یہ ادارۂ خلافت وجود میں آیا۔ اس خلافت راشدہ میں پہلی خلافت، خلافتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ اس ضمن میں آپؓ کا اصل حصہ (contribution) یہ ہے کہ اندرونِ ملک عرب انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل کے بعد اس کو

سبوتاژ کرنے کی خاطر اٹھنے والی تمام مخالفانہ قوتوں کے ساتھ نبرد آزما ہو کر اور ان سب کو کچل کر انقلابِ محمدیؐ کو مستحکم بنا دیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق ؓ بھی اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی زندگی میں اگرچہ انقلابِ محمدیؐ کے بین الاقوامی مرحلے کا اجراء تو ہو چکا تھا لیکن اس کا اصل دور خلافتِ عمر ؓ کا دور ہے۔ اس کا آغاز محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا' تھوڑی سی پیش رفت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے دور میں ہوئی۔ شامی فتوحات کے سلسلے کا آغاز ہو گیا۔ لیکن اصل توسیع دورِ فاروقیؓ اور دورِ عثمانیؓ میں ہوئی۔

انقلابِ نبویؐ کو مستحکم کرنے میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی طرف سے جس عزیمت کا معاملہ ہوا ہے اس کو حضرت عمر ؓ سے تقابل کر کے دیکھئے۔ مانعینِ زکوٰۃ کا مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا تو حضرت عمر فاروق ؓ نے بھی اُس وقت کے حالات کی شدت کے پیش نظر مصلحت بینی کا مشورہ دیا کہ یہ چومکھی جنگ ایک دم شروع نہ کیجیے۔ مسلمانوں کے دل زخمی ہیں اور حوصلے پست ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی جدائی سے طبیعتیں بہت پژمردہ اور مضمحل ہیں۔ ایک طرف نئی نبوت کے دعوے دار ہیں اور دوسری طرف مانعینِ زکوٰۃ۔ آپ مدعیانِ نبوت کے خلاف نبرد آزما ہو جائیے اور مانعینِ زکوٰۃ کے بارے میں نرمی اختیار کیجیے۔ اس لیے کہ انہوں نے توحید خداوندی کا انکار نہیں کیا' محمد ﷺ کی نبوت کا انکار نہیں کیا' نماز کا انکار نہیں کیا' صرف زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں۔ اس لیے مصلحت کو پیش نظر رکھیے۔ نیز جیشِ اُسامہ کو روانہ نہ کیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ کا جواب تھا کہ جو جھنڈا نبی اکرم ﷺ نے کھول دیا مَیں اسے کیسے تہہ کر سکتا ہوں؟ پھر یہ خلافت تو نہ ہوئی اور ان کے مشن کی طرف کوئی اقدام تو نہ ہوا! آپ ﷺ کے اٹھائے ہوئے قدم کو واپس لے لوں تو خلافت کا کیا فائدہ؟ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی:

((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَیُقِیْمُوا الصَّلاَةَ وَیُؤْتُوا الزَّکَاةَ' فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ

دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ))(۱)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں لوگوں کے ساتھ جنگ کروں تا آنکہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ پس جب وہ یہ کر لیں گے تو میری طرف سے اُن کے جان و مال، سوائے اسلامی قانون کے، محفوظ ہو جائیں گے، اور اُن کے باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے!''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ اہل عرب کے ساتھ جنگ اگر بند ہو سکتی ہے تو مندرجہ بالا تین شرائط کی بنیاد پر، جو کم از کم ہیں، اور مَیں ان میں کوئی ترمیم کرنے کے لیے تیار نہیں! یہ ہے وہ عزیمت جس کے حامل ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ آپؓ کے الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ اگر کوئی میرے ساتھ نہ نکلے گا تو میں تنہا جنگ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال ہوئی اور آپؓ تمام مخالفانہ قوتوں کو کچل کر اندرونِ ملک اس انقلاب کو مستحکم کر گئے۔ مشیتِ الٰہی کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اگر یہ استحکام خود رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں ہوا ہوتا تو ممکن ہے کہ خلافت راشدہ کا عہد تیس برس کی بجائے تین سو برس تک جاری رہتا۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

کیا عجب مشیتِ ایزدی کا یہی منشا ہو کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتی عظمت نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ اگر یہ تمام مراحل محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس طے کرا دیے ہوتے تو ابوبکر صدیق کی عظمت کیسے نمایاں ہوتی؟ اس اللہ کے بندے نے تو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے دوران اپنے آپ کو اس طرح گم کر دیا تھا کہ ان کا آنحضور ﷺ سے کہیں جداگانہ تشخص نظر نہیں آتا۔

بہرحال یہ کارنامۂ صدیقی ہے جو تمہید بنا ہے اس بات کے لیے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکسو ہو کر انقلابِ نبویؐ کے بین الاقوامی مرحلے کی طرف متوجہ ہو گئے، جس کا

(۱) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فان تابوا واقاموا الصلاۃ واتوا الزکاۃ فخلوا سبیلھم۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الامر بقتال الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللّٰہ۔

ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ اسی سیلاب کے متعلق علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا:ؔ

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری
تھمتا نہ تھا کسی سے سیلِ رواں ہمارا!

اس پر ''اِن شاء اللہ'' آئندہ نشست میں گفتگو ہوگی، جس میں خلافتِ فاروقی وعثمانی اور خاص طور پر ''الفتنة الکبریٰ'' یعنی شہادت حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد جو حالات وواقعات پیش آئے، وہ بیان کیے جائیں گے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین oo

نبی اکرم ﷺ کا اسلوبِ خطابت

عتیق الرحمٰن صدیقی

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۷﴾﴾ (المائدۃ)

''اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ (لوگوں تک) پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا' اللہ تم کو لوگوں (کے شر) سے بچا لے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو (تمہارے مقابلہ میں) کامیابی کی راہ ہرگز نہ دکھائے گا''۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ وَعَلَیْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾﴾ (الرعد)

''بہر حال تمہارا کام صرف پیغام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

سورۃ النحل میں آنحضور ﷺ سے کہا گیا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ﴾ (آیت ۱۲۵)

''(اے رسولؐ!) لوگوں کو اپنے پروردگار کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان کے ساتھ ایسے طریق پر مباحثہ کرو جو بہت اچھا ہو۔''

سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِکَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ﴾ (آیات ۱۴'۱۵)

''اور جن لوگوں نے ورثہ میں کتاب پائی ہے ان کے پیچھے وہ اس کے بارے میں بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کو بلائیے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے' اور ان کی خواہشات کی پیروی مت کیجیے۔''

نبی کریم ﷺ کی منصبی ذمہ داریوں کو گنواتے ہوئے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ۝۲﴾ (الجُمُعة)

''وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے' ان کی زندگی سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے' حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کو جو مراتب عالیہ عطا ہوئے ان کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاۙ۝۴۵ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۝۴۶﴾ (الاحزاب)

''اے نبیؐ! ہم نے تمہیں بھیجا ہے گواہ بنا کر' بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر' اور اللہ کی اجازت سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔''

اوّل الذکر دو آیات میں محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو پیغام بر کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔ آپؐ سے کہا گیا ہے کہ آپؐ پر جو وحی نازل کی جارہی ہے آپ اسے لوگوں تک بلاکم و کاست پہنچا دیں' یہی منصب رسالت کا اقتضاء ہے۔ اس کے بعد کی دو آیتوں میں فرمایا گیا کہ آپؐ داعی ہیں' بھلے انداز میں لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیجیے اور اگر مباحثہ کی نوبت آجائے تو آپ مستحسن انداز اپنائیے گا۔ یہ بھی کہا گیا کہ اپنے موقف پر مضبوطی سے قائم رہیے۔ پانچویں آیت میں آپ ﷺ کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں کہ آپؐ مزکی بھی ہیں اور کتاب و حکمت کے معلم بھی۔ چھٹی آیت میں آپ ﷺ کو شاہد' مبشر اور حق کے داعی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ آغازِ بعثت میں فرمایا گیا تھا کہ:

﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۝۵﴾ (المزّمّل)

''یقیناً ہم تم پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالنے والے ہیں۔''

اور سورۃ المدثر میں کہا گیا کہ:

﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾

''اُٹھو! پس خبردار کرو! اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کرو!''

یعنی کمر بستہ ہو کر اٹھو اور پورے عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی قوم کو انذار کرو اور اللہ کی کبریائی و یکتائی کا اعلان کرو۔ اور پھر آپ ﷺ نے بعثت سے آخری سانس تک جو عمل پیہم کیا اور متواتر کیا وہ دعوت کا عمل ہے۔

دعوت کے عمل میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف انداز ہائے کار سے استفادہ کیا' مختلف مواقع پر مختلف اسالیب اختیار کیے' مگر تقریر اور خطابت کا اسلوب ہر مرحلہ میں حاوی رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ تقریر نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے' کسی بھی چیز کی تشریح اور توضیح میں اس کا کردار خاصی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ ہم تقریر کو گفتگو یا وعظ کا متماثل بھی قرار دے سکتے ہیں مگر ان تینوں میں ایک جوہری فرق بھی موجود ہے۔ دو افراد کے درمیان مکالمہ یا تبادلۂ خیال کی صورت ہو تو وہ گفتگو کہلائے گی۔ وعظ بالعموم پند و موعظت سے لبریز ہوتا ہے' مگر اس کے مقابلہ میں تقریر اظہارِ مدعا کی ایک مربوط اور منضبط شکل ہے جس میں مقرر مختلف نکات کے عقدوں کو نکتہ بہ نکتہ کھولتا چلا جاتا ہے۔ تقریر کو عربی میں خطبہ (خ کی پیش کے ساتھ) کہا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے خطبہ کے معنی دیباچۂ کتاب اور مقدمۂ کتاب کے بھی ہوتے ہیں' مگر معروف معنی وعظ و نصیحت اور تقریر ہی کے ہیں۔ عام طور پر خطبے میں وعظ و تذکیر اور خیر و بھلائی کی تلقین ہی کی جاتی ہے۔ خطیب اپنے بیان کو اثر انگیز اور کیف زا بنانے کے لیے زبان و بیان کے تمام ذرائع کام میں لاتا ہے اور طلاقتِ لسانی کے جملہ ہنر آزماتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فریضۂ رسالت کی ذمہ داری سونپی گئی اور انذار و تبلیغ کے لیے انہیں فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا تو وہ اس بارِ گراں کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں بارگاہِ ربّ العزت میں یوں دست بدعا ہوئے:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ۝ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ۝ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ۝﴾ (طٰہٰ)

''اے میرے ربّ! میرے سینے کو میرے لیے کھول دے' اور میری مہم کو میرے لیے آسان کر دے' اور میری زبان کی گرہ کھول دے' کہ لوگ میری بات سمجھیں۔''

ایک تو انہوں نے بڑی دلسوزی کے ساتھ شرحِ صدر کے لیے دعا فرمائی تاکہ ایک بھاری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں کوئی اضطراب وتردّد اور خلش باقی نہ رہے' مشکل آسان ہو جائے اور حالات مساعد ہو جائیں۔ ان کی دوسری دعا قوتِ اظہار و بیان عطا کیے جانے کے بارے میں تھی' اس لیے کہ اُس دور میں ابلاغ کا واحد ذریعہ خطابت ہی تھا اور جو ہر خطابت سے پوری طرح مرصع ہوئے بغیر یہ ممکن ہی نہ تھا کہ قیادت وسیادت کی ذمہ داریاں بحسن وخوبی ادا ہوسکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام زبان آور خطیب نہ تھے' مگر دعوت وتبلیغ کے اعتبار سے خطابت کی ضرورت واہمیت سے صرفِ نظر کیا جانا ممکن بھی نہ تھا' اس لیے انہوں نے اس کمی کا احساس کرتے ہوئے اپنے ربّ سے دعا کی کہ وہ ان کے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کا معاون اور شریک کار بنا دے' اس لیے کہ وہ زیادہ فصیح اللّسان تھے:

﴿وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ﴿۳۴﴾﴾ (القصص)

''اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے تو اس کو ایک معاون کی حیثیت سے میرے ساتھ کیجیے کہ وہ میری تائید کرے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔''

یہی بات سورۃ الشعراء میں یوں مذکور ہوئی ہے:

﴿وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ﴿۱۳﴾﴾ (الشُّعراء)

''اور میرا سینہ بھنچتا ہے اور میری زبان رواں نہیں ہے تو ہارون کے پاس پیغام بھیج''۔

فریضۂ رسالت ونبوت کے لیے خطابت کا وصف ضروری تھا۔ دین کے اَسرار وحقائق کی تفہیم اور مؤثر پیرائے میں دوسروں تک بات پہنچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ زباں رواں ہو اور کلام پر قدرت حاصل ہو۔ چنانچہ ایک طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھائی کی معاونت میسر آ گئی اور دوسری طرف اللہ نے انہیں فصاحت بھی عطا کر دی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں کہ ''آگے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی یہ کمزوری دور ہوگئی تھی اور وہ خوب زوردار تقریر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ قرآن اور بائبل میں ان کے بعد کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمال فصاحت اور طلاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں''۔ (طٰہٰ' حاشیہ ۱۵)

محسنِ انسانیت ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے خطابت کا یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا' چنانچہ

آپؐ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنی زبان مبارک سے یہ فرمایا:

''میں فصیح ترین عرب ہوں' میں کلماتِ جامعہ لے کر مبعوث ہوا ہوں۔ (اگرچہ عرب کے تمام قبیلے فصاحت و بلاغت کا دعویٰ کرتے تھے' مگر دو قبیلے ایسے تھے جو اس وصف میں ایک امتیازی شان رکھتے تھے' قریش اور بنو ہوازن' آپؐ نے بنو ہوازن کے ایک قبیلہ بنی سعد میں پرورش پائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا) میں تم میں فصیح ترین ہوں' قریشی ہوں اور میری زبان بنو سعد کی زبان ہے''۔ (طبقات ابن سعد بحوالہ سیرت النبیؐ' جلد دوم' از مولانا شبلی نعمانی)

عرب معاشرے میں خطابت کے وصف کو بڑا اعزاز حاصل تھا' ان کی خطابت مسلّم تھی' وہ اپنی فصاحت اور زبان آوری پر بڑے نازاں تھے' اپنی طلاقت لسانی کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے' اپنے آپ کو عرب اور دنیا کی تمام قوموں کو عجم یعنی ژولیدہ بیان تصور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد عربی ﷺ کو خطابت کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے لہجے میں عربی فصاحت و بلاغت کی تمام خوبیاں موجود تھیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے خطبات کا انداز بالکل سادہ تھا اور تکلف و تصنع سے ماورا بالکل فطری نوعیت کا تھا۔ آپؐ نہ تو خطباء کا کوئی مخصوص لباس پہنتے تھے اور نہ حجرے سے نکلتے وقت ان کے ساتھ کوئی نقیب ہوتا تھا' ہاتھ میں صرف ایک عصا ہوتا تھا۔ مسجد میں خطبہ دیتے وقت آپؐ کے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا اور جب میدانِ جنگ میں تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تو کمان پر ٹیک لگا لیتے تھے۔ ضرورت پیش آ جاتی تو آپؐ فی البدیہہ خطبہ دینے کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ حالات کے تناظر میں موقع کی مناسبت سے خطبہ دیتے تھے' کبھی زمین پر' کبھی منبر پر بیٹھ کر' کبھی درخت سے ٹیک لگا کر اور گاہے اونٹ پر سوار ہو کر جیسا بھی موقع پیش آیا آپؐ نے خطبہ دیا ہے۔ آپ ﷺ نے طویل خطبے بھی دیے ہیں مگر بالعموم آپؐ کے خطبات مختصر ہوتے تھے۔ اس بات کا پورا خیال رکھتے تھے کہ سامعین کی قوتِ ارتکاز قائم رہے اور وہ تکان و بوریت کا شکار نہ ہونے پائیں۔

خطبہ کے اسلوب کے بارے میں ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ منبر پر آتے ہی لوگوں کی طرف منہ کر کے السلام علیکم کہتے' حمد باری تعالیٰ سے خطبے کا آغاز کرتے اور پھر قرآن کریم کی کوئی سورت تلاوت فرماتے اور پھر اس کی وضاحت کرتے۔ آپ ﷺ عورتوں سے علیحدہ خطاب فرماتے تھے' پند و موعظت کی باتیں اخباری

فقروں میں بیان فرماتے' لیکن جب کلام کو زیادہ مؤثر بنانا مقصود ہوتا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت میں شروع کرتے۔ غزوۂ حنین اور حجۃ الوداع کے خطبات میں آپ ﷺ نے تسئیل کا طریق اختیار کیا۔ آواز میں اُتار چڑھاؤ موجود رہتا تھا' جوشِ بیان کا یہ عالم تھا کہ آنکھیں سرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی' غصہ بڑھ جاتا تھا' انگلیاں اُٹھتی جاتی تھیں گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کسی فوج کو جنگ کے لیے اُبھار رہے ہیں۔ (مسلم)

جوشِ بیان میں جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا۔ (ابن ماجہ) ہاتھوں کو حرکت دینے سے پٹھوں کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔ (مسند ابن حنبل) کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے' کبھی کھول دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس قسم کی پُر جوش حالت کی اِن الفاظ میں نہایت صحیح تصویر کھینچی ہے:

> ''آنحضرت ﷺ کو منبر پر خطبہ دیتے سنا' فرما رہے تھے کہ ''خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے لے گا''۔ یہ بیان کرتے ہوئے آپؐ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے۔ آپؐ کا جسم مبارک کبھی دائیں کبھی بائیں جھکتا جاتا تھا' یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا تو اس کا نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپؐ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا''۔ (ابن ماجہ' ذکر المبعث)

حضور نبی کریم ﷺ کے خطبوں میں جلال کی کیفیت بھی ہوتی اور جمال کی بھی۔ اللہ کے قہر و غضب کی بات ہوتی تو جلال ہویدا ہوتا' اس کی رحمت اور جود و کرم کا ذکر ہوتا تو جمال نمایاں ہوتا۔ آپؐ کے میٹھے میٹھے بول دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے' دل و دماغ کی کایا پلٹ جاتی' ایسی حلاوت ہوتی جو دلوں کے تاروں کو جوڑتی اور روحوں کو سرشار کر دیتی۔ کلمات جامع ہوتے جیسے کوزے میں دریا بند کر دیا گیا ہو۔ حکمت بھی اور دانش بھی اور معنوی وسعت بھی' خطابت کی تمام خصوصیات خطبہ میں سمٹ آتیں۔

غزوۂ حنین کے موقع پر مالِ غنیمت کا بیشتر حصہ نومسلم اہل مکہ کو دے دیا گیا' یہ عمل ان کی تألیف قلب کے لیے کیا گیا تھا' مگر بعض انصاری نوجوان اس پر آزردہ ہوئے۔ اپنی ناگواری کا اظہار اس انداز میں کیا کہ ''خدا پیغمبر کی مغفرت کرے' قریش کو دیتا ہے اور ہم کو چھوڑ دیتا ہے' حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے''۔ آنحضرت ﷺ کو جب اس گفتگو کا علم ہوا تو تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کیا' حقیقت معلوم کی۔ پتا چلا کہ بعض نوجوانوں نے ایسی بات کی ہے' صائب الرائے لوگوں نے ایسی کوئی تبصرہ آرائی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر ایسا

پُر تأثیر خطبہ دیا جو فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے' فرمایا:

''اے گروہ انصار! کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا' پس خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی' تم متفرق تھے خدا نے میری وجہ سے تمہیں مجتمع کیا' تم محتاج تھے' خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا؟؟''

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے ''خدا اور اس کا رسول بہت امین ہیں''۔ آپؐ نے فرمایا:

''یہ کیوں نہیں کہتے کہ اے محمدؐ! تم اس حالت میں آئے تھے کہ لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے' ہم نے تمہاری تصدیق کی' تمہارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمہاری مدد کی' تم گھر سے نکالے ہوئے تھے ہم نے تم کو گھر دیا' تم محتاج تھے ہم نے تمہاری غم خواری کی!''

اس کے بعد آپ ﷺ نے اصل اعتراض کا جواب دیا:

''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں خود پیغمبر کو لے کر جاؤ؟ خدا کی قسم تم لوگ جو لے کر واپس جاتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جسے تمام لوگ لے کر جاتے ہیں''۔ اس پر تمام انصار پکار اٹھے ''رضینا'' یعنی ہم سب راضی ہیں۔ (سیرت النبی ﷺ' جلد دوم' از شبلی نعمانی)

حضور نبی کریم ﷺ کے کلام میں ترتیل اور ترسیل پائی جاتی تھی' آپؐ کی گفتگو میں ٹھہراؤ ہوتا تھا' اگر کوئی ان کے الفاظ کو گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: ''كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَلَامًا فَصْلًا يَفْهَمُهُ كُلُّ مَنْ سَمِعَهُ''(۱)۔ آپ ﷺ عجلت سے ہرگز کام نہیں لیتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے نہایت طویل گفتگو کی یا طویل خطبہ دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا کہ اگر وہ میانہ روی اختیار کرتا تو اس کے لیے بہتر ہوتا' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں گفتگو میں اختصار کروں' کیونکہ اختصار بہتر ہے۔ آپ ﷺ نے تکلف آمیز گفتگو سے بھی منع فرمایا اور کہا کہ خدا اس بلیغ آدمی کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا مروڑتا ہے جس طرح بیل اپنی زبان کو توڑ مروڑ کر گھاس کھاتا ہے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص اسلوبِ کلام میں اس لیے ادل بدل کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالے' خدا قیامت کے دن اس کا فدیہ اور توبہ قبول نہ کرے گا۔ اسی طرح جب چند لوگوں کے سامنے بات کہی جائے تو

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب الادب' باب الهدی فی الکلام۔

التفات ایک ہی طرف نہ رہے، بلکہ ٹھہر ٹھہر کر ہر ایک کی طرف منہ کیا جائے تا کہ دوسروں کو عدم التفات کی شکایت پیدا نہ ہو جائے۔

خطیب کا اہم وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کی نبض شناس انگلیاں سامعین کی نفسیات پر ہوں، وہ ان کے میلانات اور رجحانات کا ادراک رکھتا ہو، موقع کی نزاکت کو محسوس کرتا ہو، حالات کا پس منظر اس کے سامنے ہو۔ حضور نبی کریم ﷺ کا خطبۂ حجۃ الوداع احکامات کا ایک سادہ سا مجموعہ ہے، مگر سلاست، روانی، شستگی و شائستگی کا ایک شاندار مرقع ہے، تجسس کو ابھارتا ہے، حیرت و استعجاب کی کیفیت کو نمو دیتا ہے اور مزید کچھ جاننے کے لیے سامع کو آپ ﷺ کے جنبش لب کا منتظر رکھتا ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''لوگو! سنو، کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ، اس مہینہ میں، اس شہر میں تم سے نہ مل سکوں''۔ سادہ سا جملہ ہے، سب کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ پیرایۂ اظہار سوچوں کو مہمیز دینے لگتا ہے۔ فرمایا: ''مسلمانوں کی عزت و آبرو، جان و مال سب مسلمانوں پر حرام ہے''۔ اس بات کو نہایت بلیغ طریقہ سے ادا فرمایا۔ سوال و جواب کی تکنیک اختیار کی: ''کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے؟'' لوگوں نے کہا: خدا اور اس کے رسولؐ کو اس کا علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ یوم الحرام ہے۔ جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟'' لوگوں نے کہا: خدا اور رسولؐ کو اس کا علم ہے۔ آپؐ نے کہا: ''بلد الحرام ہے۔ کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟'' لوگوں نے کہا: خدا اور رسولؐ کو اس کا علم ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''شہر حرام ہے''۔ اس جاندار، دل آویز اور تحیر افزا تمہید کے بعد آپ ﷺ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا: ''خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو تم پر اس مہینہ میں، اس شہر میں اس دن کی حرمت کی طرح حرام کی ہے۔ دیکھنا میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ تم میں ہر ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔'' پھر آپ ﷺ نے اِن الفاظ میں مساوات کی تعلیم دی: ''تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے۔ اللہ کے نزدیک تم میں شریف تر وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے''۔

حضور نبی کریم ﷺ سادہ لفظوں، واضح جملوں اور مختصر ترکیبوں سے مطالب کو ذہن نشین کرا دیتے تھے۔ اخلاقی وعظ کے لیے ویسے بھی پیچ دار ترکیبوں، شاندار لفظوں اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مدینہ منورہ میں آ کر سب سے پہلا فقرہ جو زبان مبارک سے نکلا، وہ یہ تھا:

((اَیُّـھَا النَّاسُ! اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِیَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِالسَّلَامِ)) (۱)

''لوگو! سلام کو پھیلاؤ' کھانا کھلایا کرو' نماز پڑھا کرو جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں' جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے''۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس میں صرف پانچ باتیں بیان فرمائیں:

''ہاں خدا سوتا نہیں اور نہ سونا اس کی ذات کے شایان شان ہے' وہی قسمت کو بلند و پست کرتا ہے' رات کے اعمال اس کو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات سے پہلے' خدا کا پردہ نور ہے''۔

جمعہ کے خطبوں میں رسول اللہ ﷺ عام طور پر زہد و رقاق' حسن اخلاق' خوفِ قیامت' عذابِ قبر' توحید اور صفاتِ الٰہی بیان کرتے تھے۔ دورانِ ہفتہ کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اس کے متعلق ہدایت فرماتے تھے۔ اتفاقی خطبے ضرورت کے مطابق دیا کرتے تھے۔ آفتاب میں گہن لگا اور اتفاق سے اسی دن آپ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی' لوگوں نے اس وفات کو گہن آفتاب کے ساتھ جوڑنا چاہا تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا جس کے پہلے جملے یہ تھے: ''حمد و ثنا کے بعد' لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیاں ہیں۔ وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہیں ہوتے''۔ آخر میں فرمایا: ''میں نے دوزخ میں ابوثمامہ عمرہ بن مالک کو دیکھا تو یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب میں کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے' حالانکہ وہ خدا کی نشانیاں ہیں' جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تاکہ وہ صاف ہو جائے''۔

حضور نبی کریم ﷺ کے خطبات میں بلا کی تأثیر ہوتی' پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سن کر چند لمحوں کے لیے موم ہو جاتے تھے۔ مکہ میں ایک دفعہ آپ ﷺ نے سورۃ النجم کی آیات تلاوت کر کے سنائیں تو یہ اثر ہوا کہ آپؐ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کفار بھی سجدہ میں گر پڑے۔ (صحیح بخاری)

غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی پر منافقین کی سازش سے مہاجرین و انصار دست بگریباں ہونے کو تھے' عین موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایسا پُر اثر خطبہ دیا کہ دونوں قبیلے شیر و شکر ہو گئے۔

---

(۱) سنن الترمذی' کتاب صفة القیامة و الرقائق و الورع عن رسول اللہ ﷺ۔

واقعۂ اِفک میں اوس وخزرج میں اتنا اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبویؐ میں تلواریں نیام سے نکلنے کا خدشہ پیدا ہو گیا' مگر آپ ﷺ کی اثر انگیز تقریر سے برادرانہ محبت کی لہریں پھر سے جاری ہو گئیں۔

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ایک خطبہ کی تصویر اِن الفاظ میں کھینچتے ہیں:

((وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ .....)) (۱)

''ایک روز صبح کی نماز کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک دن ایسا مؤثر وعظ کہا کہ آنکھیں اشک ریز ہو گئیں اور دل کانپ اٹھا.....''

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: ((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ)) ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے!'' یہ الفاظ آپؐ نے تین دفعہ فرمائے اور پھر جھک گئے۔ لوگوں پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم کو یہ بھی ہوش نہ رہا کہ آپؐ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں۔ (سنن النسائی)

اخذ واستفادہ:

☆ سیرت النبی ﷺ' جلد اول ودوم' شبلی نعمانی۔
☆ تفہیم القرآن' جلد سوم۔
☆ خطباتِ رسول ﷺ' رفیع الدین ہاشمی۔
☆ تدبر قرآن' جلد پنجم۔
☆ دعوتِ اسلام' از پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ۔

(۱) سنن الترمذی' کتاب العلم عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدع۔

خواتین کی اصل عظمت اور حقوق

احادیث مبارکہ کی روشنی میں

انجینئر نوید احمد☆

اس سلسلے کا پہلا مضمون ''خواتین کی اصل عظمت اور حقوق ۔قرآن حکیم کی روشنی میں'' اپریل کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔

یکم دسمبر ۲۰۰۶ء کو پاکستان میں حدود آرڈیننس کا ''تنسیخی بل'' نافذ کیا گیا' لیکن اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے اِسے ''تحفظِ حقوقِ نسواں'' کا نام دیا گیا۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اِس بل میں نہ تو خواتین کے اصل حقوق کا ذکر ہے اور نہ تحفظ ۔خواتین کے اصل حقوق وہ ہیں جو قرآنِ حکیم میں بیان ہوئے یا جن کا بیان نبی اکرم ﷺ کے مبارک ارشادات میں آیا ہے۔ اِس سے قبل ایک تحریر کے ذریعہ خواتین کی اصل عظمت اور حقوق قرآنِ حکیم کی روشنی میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ اب اِس تحریر کے ذریعہ ہم ارشاداتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں خواتین کی عظمت اور حقوق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

ارشاداتِ نبوی ﷺ کی اہمیت

نبی اکرم ﷺ تمام جہان والوں کے لیے رحمت اور بالخصوص اہلِ ایمان کے لیے رحمت و شفقت اور محبت کا پیکر ہیں۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴾ (الانبیاء)

''اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

﴿لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ﴾ (التوبة)

☆ اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

''تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن پر گراں گزرتی ہے، تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں، مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے مہربان ہیں''۔

اُمت کی خواتین رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہیں اور آپ ﷺ سے بڑھ کر اُن کا خیر خواہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ اللہ اِس حقیقت پر ہماری بہنوں کو یقین کی دولت عطا فرمائے۔ آمین! آیئے دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ خواتین کو کیا عظمت عطا کی اور کن حقوق سے سرفراز فرمایا۔

خواتین کے تقدس واحترام کا بیان

نبی اکرم ﷺ نے خواتین کی عظمت کا اظہار اِن الفاظ میں فرمایا:

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلاَةِ))(۱)

''دنیا کی چیزوں میں مجھ کو سب سے زیادہ محبوب عورتیں اور خوشبو ہے، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے''۔

اللہ سے مناجات کے دوران نبی کریم ﷺ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِیْفَیْنِ: اَلْیَتِیْمِ وَالْمَرْأَةِ))(۲)

''اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ اِن میں کوتاہی مت کرنا): ایک یتیم اور دوسری عورت''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اَنَّ امْرَأَةً وُجِدَتْ فِیْ بَعْضِ مَغَازِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَقْتُوْلَةً فَأَنْکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ قَتْلَ النِّسَآءِ وَالصِّبْیَانِ(۳)

''رسول اللہ ﷺ کے غزوات کے دوران ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ آپ ﷺ نے (افسوس کرتے ہوئے) عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا''۔

رسول اللہ ﷺ نے نکاح کے حوالے سے خواتین کی رائے کے احترام کا حکم دیا:

((لاَ تُنْکَحُ الْأَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَأْمَرَ وَلاَ تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَأْذَنَ)) قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَکَیْفَ اِذْنُھَا؟ قَالَ: ((اَنْ تَسْکُتَ))(۴)

''جس عورت کا ایک بار نکاح ہو چکا ہو (اور پھر شوہر کی موت یا طلاق ہو جانے کی وجہ

سے عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرنا ہو) تو اُس کا نکاح اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اُس سے وضاحت کے ساتھ زبان سے اجازت نہ لے لی جائے' اور جس (بالغ) لڑکی کا نکاح پہلے نہیں ہوا ہے اُس کا نکاح اُس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اُس سے اجازت نہ لے لی جائے''۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اُس کی اجازت کیسے ہوگی (یعنی وہ تو شرم کی وجہ سے بول بھی نہ سکے گی)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اُس کی جانب سے یہی اجازت سمجھی جائے گی کہ جب اُس سے اجازت لی جائے تو خاموش رہ جائے''۔

عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْاَنْصَارِيَةِ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا(۶)

حضرت خنساء بنت خذام انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اُن کے والد نے اُن کا نکاح کر دیا' جبکہ وہ شوہر دیدہ تھیں۔ اُنہوں نے اِس نکاح کو ناپسند کیا۔ وہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ نے اُن کے نکاح کو ختم کر دیا۔''

خواتین کے لیے خوش کن بشارتیں

نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشادات میں خواتین کے لیے بڑے اجر و ثواب کی بشارتیں دیں:

((اَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ))(۶)

''جو خاتون اِس حال میں وفات پا گئی کہ اُس کا شوہر اُس سے راضی تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگئی''۔

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ))(۷)

''عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھے' اور رمضان کے روزے رکھے' اور پاک دامن رہے اور (شرعی اُمور میں) اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے تو اُس سے کہا جائے گا کہ جس دروازے سے تو چاہے جنت میں داخل ہو جا''۔

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلَا نُجَاهِدُ؟ قَالَ : ((لَا' لٰكِنَّ اَفْضَلَ الْجِهَادِ

حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ)) (۸)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں، تو کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل جہاد حجِ مبرور ہے''۔

نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے لیے اہم ترین ذمہ داری گھر کے امور کی انجام دہی ہے:

((..... وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ))(۹)

''.....اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اُس کی اولاد کی نگران ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اُس سے اُس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا''۔

اگر خواتین اپنے گھر کے امور ذمہ داری سے ادا کریں تو اُنہیں گھر میں رہ کر اتنا اجر و ثواب ملے گا جو مردوں کو باہر نکل کر مشقتیں اُٹھانے سے ملتا ہے:

عَنْ اَنَسٍ ؓ قَالَ: جَاءَ النِّسَاءُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِالْفَضْلِ بِالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، اَفَمَا لَنَا عَمَلٌ نُدْرِكُ بِهٖ عَمَلَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَهْنَةُ اِحْدَاكُنَّ فِيْ بَيْتِهَا تُدْرِكُ عَمَلَ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)). (۱۰)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ کچھ خواتین اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مرد جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہو کر فضیلت لے گئے۔ کیا ہمارے لیے کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے برابر اجر تک پہنچا دے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کسی کا (مجاہد کے گھر کی حفاظت کے لیے) اپنے گھر پر رکنا تمہیں جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں کے برابر اجر تک پہنچا دے گا''۔

((وَمَا عَبَدَتِ امْرَأَةٌ رَبَّهَا مِثْلَ اَنْ تَعْبُدَهٗ فِيْ بَيْتِهَا))(۱۱)

''ایک عورت اپنے ربّ کی جو عبادت اپنے گھر میں کرتی ہے اِس سے بڑھ کر اُس کے لیے کوئی عبادت نہیں ہے''۔

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدِ الْاَنْصَارِيَةِ اَنَّهَا اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ فَقَالَتْ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اِنِّیْ وَافِدَةُ النِّسَاءِ اِلَيْكَ، وَاعْلَمْ نَفْسِیْ لَكَ الْفِدَاءُ، اَنَّهٗ مَا مِنِ امْرَأَةٍ كَائِنَةً فِیْ شَرْقٍ وَّلَا غَرْبٍ سَمِعْتَ بِمَخْرَجِیْ هٰذَا اِلَّا وَهِیَ عَلٰی مِثْلِ رَأْیِیْ، اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِلَی الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَاٰمَنَّا بِكَ وَبِاِلٰهِكَ الَّذِیْ اَرْسَلَكَ، وَنَحْنُ مَعْشَرُ النِّسَاءِ مَحْصُوْرَاتٌ مَقْصُوْرَاتٌ، قَوَاعِدُ بُيُوْتِكُمْ، وَمُقْضِیْ شَهَوَاتِكُمْ، وَحَامِلَاتُ اَوْلَادِكُمْ، وَاِنَّكُمْ مَعَاشِرُ الرِّجَالِ فُضِّلْتُمْ عَلَيْنَا بِالْجُمُعَةِ وَالْجَمَاعَاتِ، وَعِيَادَةِ الْمَرْضٰی، وَشُهُوْدِ الْجَنَائِزِ، وَالْحَجِّ بَعْدَ الْحَجِّ، وَاَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ الْجِهَادُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، وَاَنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ اِذَا خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ مُرَابِطًا حَفِظْنَا لَكُمْ اَمْوَالَكُمْ، وَغَزَلْنَا لَكُمْ اَثْوَابَكُمْ، وَرَبَّيْنَا لَكُمْ اَوْلَادَكُمْ، فَمَا نُشَارِكُكُمْ فِی الْاَجْرِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ؟ فَالْتَفَتَ النَّبِیُّ ﷺ اِلٰی اَصْحَابِهٖ بِوَجْهِهٖ كُلِّهٖ ثُمَّ قَالَ: ((هَلْ سَمِعْتُمْ مَقَالَةَ امْرَأَةٍ قَطُّ اَحْسَنَ مِنْ مَسَائِلَتِهَا فِیْ اَمْرِ دِيْنِهَا مِنْ هٰذِهٖ؟)) فَقَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَا ظَنَنَّا اَنَّ امْرَأَةً تَهْتَدِیْ اِلٰی مِثْلِ هٰذَا؟ فَالْتَفَتَ النَّبِیُّ ﷺ اِلَيْهَا ثُمَّ قَالَ لَهَا: ((اُنْصُرْنِیْ اَيَّتُهَا الْمَرْأَةُ وَاَعْلِمِیْ مَنْ خَلْفَكِ مِنَ النِّسَاءِ اَنَّ حُسْنَ تَبَعُّلِ اِحْدَاكُنَّ لِزَوْجِهَا وَطَلَبَهَا مَرْضَاتِهٖ وَاتِّبَاعَهَا مَوَافِقَتِهٖ يَعْدِلُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ)) فَاَدْبَرَتِ الْمَرْأَةُ وَهِیَ تُهَلِّلُ وَتُكَبِّرُ اِسْتِبْشَارًا(۱۲)

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جبکہ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے، اور عرض کیا کہ (اے اللہ کے رسول ﷺ!) میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان۔ مجھے خواتین کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اور جان لیجیے کہ میری جان آپ ﷺ کے ناموس کی حفاظت کے لیے فدا ہے۔ بے شک مشرق و مغرب کی جن خواتین کی بات آپ ﷺ مجھ سے سنیں گے وہ یہی رائے رکھتی ہیں جو میں گزارش کر رہی ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مردوں اور خواتین دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور اُس معبود پر بھی جس نے

آپ ﷺ کو بھیجا۔ ہم خواتین کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر بند رہنے والی اور گھروں میں رکنے اور بیٹھنے والی ہیں۔ ہم مردوں کی خواہشات پوری کرنے والی اور اُن کے بچوں کا بار اُٹھانے والی ہیں۔ اے مردوں کی جماعت! تم ہم سے سبقت لے گئے جمعہ و جماعت' مریضوں کی عیادت' جنازوں میں حاضری' حج کے بعد حج کرنے اور اِن سب سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے۔ جب تم میں سے کوئی مرد گھر سے نکلتا ہے حج یا عمرے یا جنگ کے لیے تو ہم حفاظت کرتی ہیں تمہارے مالوں کی اور تیار کرتی ہیں تمہارے لباس اور سنبھالتی ہیں تمہارے بچوں کو۔ تو کیا اجر میں ہمیں بھی آپ مردوں کے ساتھ حصہ ملے گا اے اللہ کے رسول ﷺ؟ نبی اکرم ﷺ اپنے پورے رُخِ انور کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کیا تم نے اِن سے زیادہ بھی کسی خاتون کی عمدہ تقریر سنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟'' تمام صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارا گمان نہیں تھا کہ ایک خاتون اِس درجہ تک ہدایت پا سکتی ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اے اسماء! میری مدد کرو اور جن خواتین نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے اُن کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح اپنے شوہر کے حقوق ادا کرنا' اُس کو خوش رکھنا اور اُس کے ساتھ سازگاری کی فضا قائم رکھنا مردوں کے اِن سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کیے ہیں''۔ حضرت اسماءؓ اللہ کا ذکر اور تکبیر کرتی ہوئی خوشی خوشی واپس چلی گئیں۔

پاکیزہ سیرت و کردار کے لیے رہنمائی

نبی اکرم ﷺ خواتین کی رہنمائی و ہدایت کو جو اہمیت دیتے تھے اُس کا کسی درجہ میں اندازہ آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل ارشادات سے کیا جا سکتا ہے:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ)) (۱۳)

''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور خاتون پر فرض ہے''۔

((عَلِّمُوْا رِجَالَكُمْ سُوْرَةَ الْمَائِدَةِ وَعَلِّمُوْا نِسَائَكُمْ سُوْرَةَ النُّوْرِ)) (۱۴)

''اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ اور خواتین کو سورۂ نور سکھاؤ''۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں:

قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ : غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَّنَا يَوْمًا مِنْ

نَفْسِکَ، فَوَعَدَهُنَّ یَوْمًا لَقِیَهُنَّ فِیْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ فَکَانَ فِیْمَا قَالَ لَهُنَّ: ((مَا مِنْکُنَّ امْرَاَۃٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَۃً مِّنْ وَّلَدِهَا اِلَّا کَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ)) فَقَالَتِ امْرَاَۃٌ وَّاثْنَتَیْنِ؟ فَقَالَ : ((وَاثْنَتَیْنِ)) (۱۵)

''خواتین نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ﷺ اکثر مَردوں میں گھرے رہتے ہیں، ایک دن آپ ﷺ ہمارے لیے مخصوص فرمادیں (تاکہ ہم بھی آپ ﷺ کے ارشادات سے فیض حاصل کرسکیں)۔ آپ ﷺ نے طے فرمایا کہ ایک روز خواتین کے لیے مخصوص کریں گے اور اُنہیں وعظ ونصیحت کریں گے۔ ایک دن آپ ﷺ نے اُنہیں بشارت دی کہ: ''تم میں سے جس کسی نے تین بچوں کی پرورش کی تو یہ عمل اُس کے لیے جہنم کی آگ سے رکاوٹ بن جائے گا''۔ ایک خاتون نے دریافت کیا کہ اگر دو بچے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اجر دو بچوں کے لیے بھی ہے''۔

نبی اکرم ﷺ عیدین کے موقع پر خواتین کے لیے علیحدہ سے وعظ ونصیحت کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عابس روایت کرتے ہیں:

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ یَوْمَ فِطْرٍ اَوْ اَضْحٰی فَصَلّٰی ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ اَتَی النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَکَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَۃِ (۱۶)

''میں نے حضرت ابنِ عباسؓ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ عیدالفطر یا عید الاضحٰی کے دن (نماز کی ادائیگی کے لیے) گیا۔ پس آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی، خطبہ ارشاد فرمایا، پھر خواتین کی طرف آئے، اُنہیں وعظ ونصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا''۔

خواتین کو وعظ ونصیحت کرنے کی اہمیت مسلم شریف کے ایک خطبہ سے بھی واضح ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جب آیت ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ﴾ (الشعراء:۲۱۴) ''اور اپنے قریبی رشتے داروں کو خبردار کیجیے'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بلایا، پس اُن کے عام و خاص سب جمع ہوگئے۔ آپ ﷺ نے قریش کے ہر خاندان کو جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے عمل کرنے کی تلقین کی۔ اِس خطبہ میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء ؓ کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ أَنْقِذِیْ نَفْسَکِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّیْ لاَ اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَکُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّھَا بِبَلاَلِھَا))(۱۷)

''اے فاطمہؓ! اپنی جان کو آگ سے بچاؤ، اِس لیے کہ میں تمہارے لیے اللہ کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا، سوائے اِس کے کہ تمہارے ساتھ (میری) رشتے داری ہے جسے میں (دنیا کی حد تک) ضرور ملحوظ رکھوں گا''۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے کئی ارشاداتِ عالیہ میں ایک صالح بیوی کے پاکیزہ سیرت و کردار کو یوں واضح فرمایا:

قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ أَیُّ النِّسَآءِ خَیْرٌ؟ قَالَ : ((الَّتِیْ تَسُرُّہُ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُہُ اِذَا اَمَرَ وَلاَ تُخَالِفُہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِھَا بِمَا یَکْرَہُ))(۱۸)

اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا: عورتوں میں کون سی عورت اچھی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے شوہر کو خوش کرے جب بھی وہ اِس کی طرف دیکھے، اور اُس کا کہنا مانے جب بھی وہ کوئی حکم دے (جو خلافِ شرع نہ ہو) اور اپنی جان اور مال سے ایسا کام نہ کرے جو شوہر کو برا لگے''۔

((مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللّٰہِ خَیْرًا لَّہُ مِنْ زَوْجَۃٍ صَالِحَۃٍ اِنْ اَمَرَھَا اَطَاعَتْہُ وَاِنْ نَّظَرَ اِلَیْھَا سَرَّتْہُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْھَا اَبَرَّتْہُ وَاِنْ غَابَ عَنْھَا نَصَحَتْہُ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِہٖ))(۱۹)

''مؤمن بندے نے تقویٰ کی نعمت کے بعد کوئی ایسی بھلائی حاصل نہیں کی جو اُس کے حق میں نیک بیوی سے بڑھ کر ہو۔ (پھر آپ ﷺ نے نیک بیوی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:) اگر شوہر اُسے حکم دے (جو خلافِ شرع نہ ہو) تو اُس کا کہا مانے، اور جب شوہر اُس کی طرف دیکھے تو شوہر کو خوش کرے، اور اگر شوہر کسی کام کے بارے میں قسم کھا بیٹھے کہ ضرور تم ایسا کرو گی (اور وہ شرعاً جائز ہو) تو اُس کی قسم سچی کر دے، اور اگر وہ کہیں چلا جائے اور یہ اُس کے پیچھے گھر میں رہ جائے تو اپنی جان اور اُس کے مال کے بارے میں اُس کی خیر خواہی کرے''۔

ایک سفر کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے اچھا مال کون سا ہے جسے ہم حاصل کرنے کی کوشش کریں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اَفْضَلُهُ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَّقَلْبٌ شَاكِرٌ وَّزَوْجَةٌ مُّؤْمِنَةٌ تُعِيْنُهُ عَلٰى اِيْمَانِهٖ)) (۲۰)

''سب سے بہتر شے ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل اور وہ مؤمن بیوی ہے جو شوہر کی مدد کرے اُس کے ایمان کے حوالے سے''۔

نیکیوں میں مدد کرنے کے حوالے سے ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَاَيْقَظَ امْرَأَتَهٗ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَاَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ)) (۲۱)

''اللہ رحم فرمائے اُس شخص پر جو رات میں بیدار ہوا' پھر اُس نے نماز پڑھی اور جگایا اپنی بیوی کو بھی' پھر اگر اُس نے جاگنے میں دیر کی تو اُس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے۔ اللہ رحم فرمائے اُس خاتون پر جو رات میں بیدار ہوئی' پھر اُس نے نماز پڑھی اور جگایا اپنے شوہر کو بھی' پھر اگر اُس نے جاگنے میں دیر کی تو اُس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے''۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے نیک سیرت خواتین کی یوں تحسین فرمائی:

((خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِيْ صِغَرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِيْ ذَاتِ يَدِهٖ)) (۲۲)

''جو خواتین اونٹوں پر سوار ہوئیں اُن میں سب سے بہتر قریش کی خواتین ہیں جو بچپن میں اولاد پر سب خواتین سے زیادہ شفقت رکھتی ہیں اور شوہر کے مال کی سب سے زیادہ نگہداشت رکھنے والی ہیں''۔

یہ تو ترغیب کا انداز تھا۔ اِس کے برعکس رسول اللہ ﷺ نے اُن خواتین کے لیے ترہیب کا اسلوب اختیار فرمایا جو اپنے شوہروں کو ناراض کرتی ہیں:

((اِنَّ الْمَرْأَةَ اِذَا خَرَجَتْ مِنْ بَيْتِهَا وَزَوْجُهَا كَارِهٌ لِّذٰلِكَ لَعَنَهَا كُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَكُلُّ شَيْءٍ مَرَّتْ عَلَيْهِ غَيْرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ حَتّٰى تَرْجِعَ)) (۲۳)

''بے شک جب عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر فرشتہ اُس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن و اِنس کے سوا ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے' اُس پر پھٹکار بھیجتی ہے' جب تک کہ وہ واپس لوٹ کر نہ آئے''۔

((مَثَلُ الرَّافِلَةِ فِی الزِّیْنَةِ فِیْ غَیْرِ اَھْلِھَا کَمَثَلِ ظُلْمَةِ یَوْمِ الْقِیَامَةِ لاَ نُورَ لَھَا)) (۲۴)

''اپنے شوہر کے علاوہ دوسروں کے لیے بناؤ سنگھار کرنے کے بعد ناز نخرے سے چلنی والی عورت اِس طرح ہے جیسے قیامت کے دن کا اندھیرا جس میں روشنی کا شائبہ تک نہیں''۔

مسند احمد کی ایک روایت میں خواتین کو پاکیزہ اخلاق اختیار کرنے کے لیے ترہیب و ترغیب اِس طرح دی گئی:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ فُلاَنَةَ یُذْکَرُ مِنْ کَثْرَةِ صَلاَتِھَا وَصِیَامِھَا وَصَدَقَتِھَا غَیْرَ اَنَّھَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَھَا بِلِسَانِھَا' قَالَ: ((ھِیَ فِی النَّارِ)) قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَاِنَّ فُلاَنَةَ یُذْکَرُ مِنْ قِلَّةِ صِیَامِھَا وَصَدَقَتِھَا وَصَلاَتِھَا وَاِنَّھَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلاَ تُؤْذِیْ جِیْرَانَھَا بِلِسَانِھَا' قَالَ: ((ھِیَ فِی الْجَنَّةِ)) (۲۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بلاشبہ ایک عورت ہے جس کی نماز، روزہ اور صدقہ کی کثرت کا (لوگوں میں) تذکرہ رہتا ہے، لیکن اِس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا دیتی ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عورت دوزخ میں ہے''۔ پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک ایک اور عورت کے بارے میں لوگوں میں یہ تذکرہ رہتا ہے کہ (نفل) روزے اور صدقہ اور (نفل) نماز کم ادا کرتی ہے اور پنیر کے کچھ ٹکڑے صدقہ دے دیتی ہے اور اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے ایذا نہیں دیتی۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ جنت میں جانے والی ہے''۔

نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو ضرورت کے تحت گھر سے نکلنے کی اجازت دی، لیکن فرمایا:

((لَا تُسَافِرِ الْمَرْأَةُ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ وَّلَا یَدْخُلُ عَلَیْھَا رَجُلٌ اِلَّا وَمَعَھَا مَحْرَمٌ)) فَقَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَخْرُجَ فِیْ جَیْشِ کَذَا وَکَذَا وَامْرَأَتِیْ تُرِیْدُ الْحَجَّ ' فَقَالَ: ((اُخْرُجْ مَعَھَا)) (۲۶)

''کوئی عورت سفر نہ کرے مگر یہ کہ اُس کے ساتھ محرم ہو'اور کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے پاس نہ جائے مگر جب عورت کے ساتھ اُس کا محرم ہو''۔ پھر ایک شخص نے کہا: میں ایک لشکر کے ساتھ جنگ کے لیے جانا چاہتا ہوں جبکہ میری بیوی حج کے لیے جانا چاہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم بیوی کے ساتھ جاؤ''۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں سفر سے مراد ایک دن اور ایک رات کا سفر ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لاَ یَحِلُّ لاِمْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ مَسِیْرَةَ یَوْمٍ وَّلَیْلَةٍ اِلَّا مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ عَلَیْهَا))[۲۷]

''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے' جائز نہیں ہے کہ وہ محرم کے بغیر ایک دن اور ایک رات کا سفر اختیار کرے''۔

اس حدیث کی روشنی میں فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ایئر ہوسٹس کی ملازمت کا کوئی شرعی جواز نہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو راستے میں چلنے کے دوران پاکیزگی اختیار کرنے کی نصیحت اِس طرح کی:

((اِسْتَأْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ ' عَلَیْکُنَّ بِحَافَّاتِ الطَّرِیْقِ)) فَکَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْتَصِقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اِنَّ ثَوْبَهَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُّصُوْقِهَا بِهٖ))[۲۸]

''تم پیچھے ہو جاؤ' تمہارے لیے راستہ کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے' تم راستے کے کنارے چلو''۔ چنانچہ اِس حکم کے بعد خاتون بالکل دیوار سے لگ جاتی' یہاں تک کہ اُس کی چادر دیوار سے اُلجھتی تھی۔

خواتین کے لیے پسندیدہ ہے کہ نماز گھر میں پڑھیں' لیکن اگر جمعہ میں وعظ سننے کی نیت سے آنا چاہیں تو منع بھی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لاَ تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ وَلٰکِنْ لِّیَخْرُجْنَ وَهُنَّ تَفِلاَتٌ))[۲۹]

''اللہ کی بندیوں کو مساجد میں آنے سے نہ روکو' لیکن اُنہیں چاہیے کہ اِس طرح نکلیں کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے نہ ہوں''۔

((اَلْمَرْأَةُ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ کَذَا وَکَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةً))[۳۰]

''جوعورت خوشبو لگا کر لوگوں کے درمیان سے گزرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے''۔

((لاَ تُقْبَلُ صَلاَ ةٌ لامْرَأَةٍ تَطَيَّبَتْ لِهٰذَا الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَرْجِعَ فَتَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ)) (۳۱)

''اُس عورت کی نماز قبول نہ ہوگی جو مسجد میں جانے کے لیے خوشبو لگائے جب تک کہ ایسا غسل نہ کرے جیسا غسل ناپاکی دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے''۔

((طِيْبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيْبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيْحُهُ)) (۳۲)

''مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی بو تیز اور رنگت ہلکی ہو اور خواتین کے لیے وہ خوشبو ہے جس کی رنگت تیز اور بو کم ہو''۔

رسول اللہ ﷺ اِس بات کو پاکیزہ کردار کے منافی سمجھتے تھے کہ خواتین یا مرد ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کریں۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ (۳۳)

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں (یعنی اُن کا سا لباس اور انداز اپنائیں) اور اُن عورتوں پر بھی جو مردوں کی مشابہت اختیار کریں''۔

اللہ کے رسول ﷺ مردوں کی طرح خواتین سے بھی بیعت لیتے تھے تاکہ اُنہیں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شرکت کا احساس دلائیں۔ موطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ چند خواتین نے آپ ﷺ سے بیعت کرنے کے بعد عرض کیا:

هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ (۳۴)

''آیئے ہم آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کریں اے اللہ کے رسول ﷺ!''

گویا خواتین بھی مَردوں کی طرح آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتی تھیں۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنِّیْ لاَ اُصَافِحُ النِّسَاءَ اِنَّمَا قَوْلِیْ لِمِائَةِ امْرَأَةٍ كَقَوْلِیْ لامْرَأَةٍ وَّاحِدَةٍ)) (۳۵)

''بے شک میں خواتین سے مصافحہ نہیں کرتا (جو میں نے زبان سے کہہ دیا سب کے لیے لازم ہو گیا اور الگ الگ بیعت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے' کیونکہ) سو خواتین سے (بھی) میرا وہی کہنا ہے جو ایک عورت سے کہنا ہے''۔

حفاظتِ ناموسِ زن کے لیے ہدایات

خواتین کے لیے سب سے اہم معاملہ اپنے ناموس کی حفاظت ہے۔ اِس پر حملہ زندگی بھر کا داغ دے جاتا ہے۔ حفاظتِ ناموسِ زن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خصوصی ہدایات عطا فرمائیں۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((لاَ يَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰى عَوْرَةِ الرَّجُلِ وَلاَ الْمَرْأَةُ اِلٰى عَوْرَةِ الْمَرْأَةِ' وَلاَ يُفْضِي الرَّجُلُ اِلَى الرَّجُلِ فِيْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلاَ تُفْضِي الْمَرْأَةُ اِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ)) (٣٦)

''کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور اِسی طرح کوئی عورت دوسری عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے۔ نیز دو مرد یا دو عورتیں ایک ہی کپڑے میں نہ لیٹیں''۔

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا ستر ہاتھ پاؤں اور چہرے کی ٹکیہ کے علاوہ پورا جسم ہے۔ ایک دوسری روایت کے مطابق عورت کا سارا جسم ستر ہے سوائے چہرے اور ہاتھ کے۔ البتہ عورت کے لیے عورت کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَّظَرِ الْفُجَائَةِ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِيْ (٣٧)

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک نظر پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا (یعنی یہ کہ اگر اچانک کسی نامحرم عورت پر یا کسی کے ستر پر نظر پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟) تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں اُدھر سے نگاہ پھیر لوں''۔

ہمیں خود بھی چاہیے کہ چست یا ایسے باریک کپڑے کا لباس نہ پہنیں جس سے ستر میں شامل اعضاء نمایاں ہو جائیں۔

خواتین کی آواز میں بھی مردوں کے لیے کشش ہے۔ لہٰذا ان کے ناموس کی حفاظت کے

لیے اُن کی آواز کا بھی پردہ ہے اور انہیں بلاضرورت مردوں سے گفتگو کی اجازت نہیں۔ اگر وہ مسجد میں موجود ہوں اور امام صاحب سے غلطی ہو جائے تو آواز سے نہیں بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر امام صاحب کو متوجہ کریں گی جبکہ مرد کہیں گے ''سبحان اللہ''۔ اس سلسلے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَاءِ)) (۳۸)

''مردوں کے لیے سبحان اللہ کہنا ہے اور خواتین کو ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے''۔

حفاظتِ ناموسِ زن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے خواتین کو گھروں پر رہنے کی تلقین فرمائی:

((اَلْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَاِذَا خَرَجَتِ اسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ))(۳۹)

''عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو اُسے شیطان تکنے لگتا ہے''۔

عَنْ اُمِّ حُمَيْدٍ السَّاعِدِيَّةِ اَنَّهَا جَاءَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ الصَّلاَةَ مَعَكَ، قَالَ: ((قَدْ عَلِمْتُ اَنَّكِ تُحِبِّيْنَ الصَّلاَةَ مَعِيَ وَصَلاَتُكِ فِيْ بَيْتِكِ خَيْرٌ لَّكِ مِنْ صَلاَتِكِ فِيْ حُجْرَتِكِ ، وَصَلاَتُكِ فِيْ حُجْرَتِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلاَتِكِ فِيْ دَارِكِ، وَصَلاَتُكِ فِيْ دَارِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلاَتِكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ، وصَلاَتُكِ فِيْ مَسْجِدِ قَوْمِكِ خَيْرٌ لَكِ مِنْ صَلاَتِكِ فِيْ مَسْجِدِيْ))(۴۰)

حضرت اُمّ حمید ساعدیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! جی چاہتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو، لیکن تمہارا ایک گوشے میں نماز پڑھنا اِس سے بہتر ہے کہ تم اپنے حجرے میں نماز پڑھو، اور تمہارا حجرے میں نماز پڑھنا اِس سے بہتر ہے کہ تم گھر کے آنگن میں نماز پڑھو، اور تمہارا گھر کے آنگن میں نماز پڑھنا اِس سے بہتر ہے کہ تم اپنے محلّے کی مسجد میں نماز پڑھو، اور تمہارا اپنے محلّے کی مسجد میں نماز پڑھنا اِس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد (یعنی جامع مسجد) میں نماز پڑھو''۔

اللہ کے رسول ﷺ تو فرما رہے ہیں کہ خواتین کے لیے پسندیدہ یہ ہے کہ نماز بھی گھر کے اندرونی حصہ میں پڑھیں، جبکہ آج صورتِ حال یہ ہے کہ بعض خواتین لاؤڈ سپیکر پر محافلِ میلاد

کے دوران سیرت کے واقعات اور نعتیں پڑھتی ہیں جن کو نامحرم مرد سن رہے ہوتے ہیں۔ میڈیا پر آ کر دروس دیتی ہیں، دینی موضوعات پر تقاریر کرتی ہیں اور نعتیں پڑھتی ہیں۔ یہ طرزِ عمل باعثِ اجر و ثواب نہیں بلکہ ناپسندیدہ ہے۔

گھروں میں خواتین کی حرمت کا پاس رکھنے کا حکم آپ ﷺ نے اِس طرح دیا:

((ثَلاَ ثَۃٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمُ الْجَنَّۃَ : مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُّ وَالدَّیُّوْثُ الَّذِیْ یُقِرُّ فِیْ اَھْلِہِ الْخَبَثَ)) (۴۱)

''تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی: ایک وہ جو ہمیشہ شراب پیتا ہے، دوسرا وہ جو ماں باپ کو تکلیف دیتا ہے اور تیسرا وہ جو اپنے گھر والوں میں ناپاک کام (یعنی زنا اور اُس کی طرف بلانے والی چیزوں مثلاً بے پردگی، نامحرموں سے میل جول وغیرہ) کو برقرار رکھتا ہے''۔

گویا مردوں پر لازم ہے کہ گھروں میں شرعی پردہ کا اہتمام کریں، یعنی گھر کی خواتین نامحرم مردوں کے سامنے کھلے چہرے کے ساتھ نہ آئیں اور نہ ہی میڈیا پر ڈراموں، اشتہارات اور کھیلوں کو دیکھ کر نامحرم مردوں میں دلچسپی لیں۔

((لاَ تَلِجُوْا عَلَی الْمُغِیْبَاتِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنْ اَحَدِکُمْ مَجْرَی الدَّمِ)) قُلْنَا وَمِنْکَ؟ قَالَ : ((وَمِنِّیْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمُ))(۴۲)

''جن خواتین کے شوہر گھروں میں موجود نہ ہوں اُن کے ہاں مت داخل ہوں، کیونکہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا رہتا ہے''۔ ہم نے عرض کیا: کیا آپ ﷺ کے جسم میں بھی؟ فرمایا: ''ہاں، لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اُس پر مدد کی اور میں نے اسے اپنا مطیع بنالیا''۔

((لاَ یَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَۃٍ اِلاَّ کَانَ ثَالِثَھُمَا الشَّیْطَانُ)) (۴۳)

''ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی (نامحرم) آدمی کسی عورت سے تنہائی میں ملے اور وہاں تیسرا شیطان موجود نہ ہو''۔

((حُرْمَۃُ نِسَاءِ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ کَحُرْمَۃِ اُمَّھَاتِھِمْ ، وَمَا مِنْ رَجُلٍ یَّخْلُفُ فِی امْرَأَۃِ رَجُلٍ مِّنَ الْمُجَاھِدِیْنَ فَیَخُوْنُہٗ فِیْھَا اِلاَّ وُقِفَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاَخَذَ مِنْ عَمَلِہٖ مَا شَاءَ ، فَمَا ظَنُّکُمْ؟)) (۴۴)

''مجاہدوں کی خواتین جہاد پر نہ جانے والوں کے لیے ایسی حرام ہیں جیسی اُن کی مائیں اُن پر حرام ہیں۔ پھر جو کوئی خواتین کی نگہبانی کے لیے گھر پر رہا' اب اگر اُس نے کسی مجاہد کے گھر میں خیانت کی تو اسے کھڑا رکھا جائے گا قیامت کے دن یہاں تک کہ یہ مجاہد اُس کے عملوں میں سے جس قدر اور جو چیز چاہے گا لے لے گا۔ پھر کیا گمان ہے تمہارا؟ (یعنی تم کیا سمجھتے ہو وہ کچھ چھوڑے گا؟ نہیں' بلکہ سب نیکیاں لے لے گا)''۔

((اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ)) فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: ((الْحَمْوُ الْمَوْتُ)) (٤٥)

''تم (نامحرم) خواتین کے پاس جانے سے بچو (اور اِس معاملہ میں بہت احتیاط کرو)''۔ ایک انصاری شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سسرالی رشتہ داروں (یعنی دیور وغیرہ) کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سسرالی رشتہ دار تو بالکل موت اور ہلاکت ہیں (یعنی اُن سے ناموس کو زیادہ خطرہ ہے)''۔

(جاری ہے)

حواشی

١) سنن النسائی' کتاب عشرة النساء' باب حبّ النساء۔
٢) سنن ابن ماجه' کتاب الادب' باب حق اليتيم۔
٣) صحيح مسلم' کتاب الجهاد والسير' باب تحريم قتل النساء والصبيان فی الحرب۔
٤) صحيح البخاری' کتاب النكاح' باب لا ينكح الاب وغيره البكر والثيب الا برضاها۔ وصحيح مسلم' کتاب النكاح' باب استئذان الثيب فی النكاح بالنطق والبكر بالسكوت۔
٥) صحيح البخاری' کتاب الاكراه' باب لا يجوز نكاح المكره۔
٦) سنن الترمذی' کتاب الرضاع' باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة۔
٧) مسند احمد۔
٨) صحيح البخاری' کتاب الحج' باب فضل الحج المبرور۔
٩) صحيح البخاری' کتاب النكاح' باب المرأة راعية فی بيت زوجها۔وصحيح مسلم' کتاب الامارة' باب فضيلة الامام العادل وعقوبة الجائر والحث علی الرفق۔
١٠) سنن البيهقی۔

١١) معجم الطبرانی۔
١٢) سنن البیهقی۔
١٣) سنن البیهقی۔
١٤) سنن البیهقی۔
١٥) صحیح البخاری، کتاب العلم، باب هل یجعل للنساء یوما علی حدة فی العلم۔
١٦) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب خروج الصبیان الی المصلی۔
١٧) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله تعالی : وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ۔
١٨) سنن النسائی، کتاب النکاح، باب ای النساء خیر۔
١٩) سنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب افضل النساء۔
٢٠) سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللهﷺ، باب ومن سورة التوبة۔
٢١) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب قیام اللیل۔
٢٢) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الی من ینکح وای النساء خیروما یستحب ان یتخیر۔وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل نساء قریش۔
٢٣) طبرانی۔
٢٤) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة خروج النساء فی الزینة۔
٢٥) مسند احمد۔
٢٦) صحیح البخاری، کتاب الحج ، باب حج النساء۔
٢٧) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب فی کم یقصر الصلاة۔ وصحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم الی حج وغیره۔
٢٨) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی مشی النساء مع الرجال فی الطریق۔
٢٩) سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد۔
٣٠) سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی کراهیة خروج المراة متعطرة۔
٣١) سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب ما جاء فی المراة تطیب للخروج۔
٣٢) سنن الترمذی، کتاب الادب عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی طیب الرجال والنساء۔
٣٣) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء والمتشبهات بالرجال۔
(٣٤) موطا مالك، کتاب الجامع، باب ما جاء فی البیعة۔
٣٥) موطا مالك کتاب الجامع، باب ما جاء فی البیعة۔
٣٦) صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب تحریم النظر الی العورات۔
٣٧) صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءة۔

٣٨) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب التصفیق للنساء۔ وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تسبیح الرجل وتصفیق المرأة اذا نابهما شیء فی الصلاة۔
٣٩) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات۔
٤٠) مسند احمد۔
٤١) مسند احمد۔
٤٢) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات۔
٤٣) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی کراهیة الدخول علی المغیبات۔
٤٤) سنن النسائی، کتاب الجهاد، باب حرمة نساء المجاهدین۔
٤٥) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامراة الا ذو محرم والدخول علی المغیبة۔ وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الخلوة بالاجنبیة والدخول علیها۔

چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر اجرِ عظیم

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

نیکی کے کچھ کام بظاہر معمولی نظر آتے ہیں مگر اُن کا اجر وثواب بہت زیادہ ہوتا ہے' لوگ ایسے کاموں کو حقیر سمجھ کر اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور اس طرح بہت بڑے اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں۔ حالانکہ معمولی اور آسان کام جو اجر کے اعتبار سے عظیم ہو اُس کی طرف تو دوڑ کر جانا چاہیے اور اُس کی انجام دہی کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم اُس کام کی طرف سب کام چھوڑ کر متوجہ ہو جاتے ہیں جس میں روپے پیسے کا غیر معمولی نفع نظر آ رہا ہو۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ دُنیا کے معمولی نفع کی خاطر انسان لمبے لمبے سفر اختیار کر لیتا ہے' بلکہ بڑے بڑے خطرات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دُنیا کا مال ومتاع اور مفاد جس قدر بھی ہو وہ متاعِ قلیل' غیر حقیقی اور فانی ہے' جبکہ آخرت کا نفع حقیقی' دائمی اور ابدی ہے جس کے مقابلہ میں دُنیوی مفاد کی کوئی حیثیت نہیں۔ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اُن آسان کاموں کی طرف دھیان دیں جن پر اسلامی تعلیمات کے اندر بڑے اجر وثواب کے وعدے ہیں۔ کسی مسلمان بھائی کو خوش کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لیے بہت لمبی چوڑی جدوجہد کرنا پڑے' بلکہ بعض اوقات تو معمولی سی کاوش سے دوسرے کا دل خوش کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شخص کا اپنے کسی عزیز رشتہ دار کے ساتھ اختلاف ہو گیا ہے اور وہ اس صورت حال میں پریشان ہے' ایک آدمی آگے بڑھ کر دونوں کے درمیان غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے اُن کے درمیان اُلفت ومودّت کا رشتہ دوبارہ قائم کر دیتا ہے تو بظاہر یہ چھوٹا سا عمل بہت بڑی نیکی ہے' کچھ عجب نہیں کہ اُس کا یہ عمل اُسے جنت میں لے جائے۔ ذیل میں ہم ایسے چند اعمال کا ذکر کرتے ہیں جو بظاہر چھوٹے نظر آتے ہیں مگر قرآن وحدیث کی رو سے ان کا اجر بہت عظیم ہے۔

دوسروں کو فائدہ پہنچانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَضٰی لِاَحَدٍ مِنْ اُمَّتِیْ حَاجَةً یُرِیْدُ اَنْ یَسُرَّهٗ بِهَا فَقَدْ سَرَّنِیْ، وَمَنْ سَرَّنِیْ فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ، وَمَنْ سَرَّ اللّٰهَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ))(۱)

''جس شخص نے میری اُمت میں سے کسی انسان کو خوش کرنے کے لیے اس کا کوئی کام کیا تو اُس نے مجھے خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں داخل فرمائیں گے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

((مَنْ اَغَاثَ مَلْهُوْفًا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثَلَاثًا وَسَبْعِیْنَ مَغْفِرَةً، وَاحِدَةٌ فِیْهَا صَلَاحُ اَمْرِهٖ كُلَّهٗ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُوْنَ لَهٗ دَرَجَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَةِ))(۲)

''جو شخص کسی مصیبت زدہ انسان کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ۷۳ مغفرتیں لکھ دیتے ہیں۔ ان میں سے صرف ایک مغفرت اس شخص کی اصلاحِ حال اور خوشحالی کے لیے کافی ہے اور باقی ۷۲ مغفرتیں اس کے لیے قیامت کے دن بلندیٔ درجات کا ذریعہ ہوں گی۔''

یتیم پر شفقت

یتیم بچہ شفقتِ پدری سے محروم ہے۔ وہ محزون اور مغموم ہے۔ اگر کوئی شخص اُس کی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل میں مدد کرے تو یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ لیکن جس شخص کو اُس کی مالی امداد کی استطاعت نہیں، مگر وہ پیار اور شفقت کے جذبات کے ساتھ اُس کے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتا اور محبت و رأفت کا ہاتھ اُس کے سر پر رکھتا ہے تو اُس کا یہ عمل بھی بے انتہا ثواب کا باعث بن جاتا ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

''جو شخص کسی یتیم بچے یا بچی کے سر پر صرف اللہ کی رضا کی خاطر شفقت سے ہاتھ پھیر دے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرے گا اُن کی تعداد کے برابر اس شخص کو نیکیاں ملیں گی۔''(۳)

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں (انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی) کو ملایا اور فرمایا: ''جو شخص کسی یتیم بچے یا بچی کا نگران ہو اور اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو مَیں اور وہ شخص جنت میں اِن دو انگلیوں کی مانند قریب ہوں گے۔'' دیکھئے یتیم کے سر پر پیار، محبت،

ہمدردی اور خیر خواہی کے ساتھ ہاتھ پھیرنا کتنا آسان کام ہے' مگر اس کا اجر وثواب کتنا عظیم ہے۔ ہاتھ کے نیچے تو لاکھوں کی تعداد میں بال ہوں گے' چنانچہ یہ معمولی سا عمل لاکھوں نیکیوں کا سبب بن جائے گا۔ اور اگر کسی نے ایک بے سہارا یتیم کو اپنے ہاں رکھ لیا اور اُس کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ذمہ داری قبول کر لی تو یہ عمل اُس کی مغفرت کا باعث بن جائے گا۔ اور یہ کام بھی زیادہ مشکل نہیں' کیونکہ جہاں وہ اپنے بچوں کی ضروریات پوری کرتا ہے اس یتیم کی کفالت بھی کر لے گا' اور سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی روزی میں برکت ڈال دے گا اور یتیم کا وجود اُس کے لیے بار نہیں ہوگا بلکہ سعادت کا باعث بن جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اِلَّا اَنْ يَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ لَهٗ)) (۴)

''جو شخص کسی یتیم کو بلا کر اپنے کھانے پینے میں شریک کر لے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل فرما دیتے ہیں' سوائے اس کے کہ اس نے نا قابل بخشش گناہ (یعنی شرک وکفر) کیا ہو۔''

اور یہ بات تو اصولاً طے ہے کہ جس کی موت کفر اور شرک پر واقع ہوا اُس کے لیے بخشش نہیں۔ حصولِ جنت کا کتنا آسان ذریعہ ہے کہ کسی یتیم کی کفالت اپنے ذمہ لے لی جائے اور اپنے بچوں کی طرح اُس کی ضروریات کو بھی پورا کیا جائے۔

بیت اللہ کو تکنا

بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ روئے زمین پر بسنے والے مسلمان اُس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ہر صاحب حیثیت پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے۔ جو شخص حج کی خاطر مکہ معظّمہ پہنچے گا وہ خوش نصیب خانہ کعبہ کا طواف کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو خصوصی فضیلت سے نوازا ہے۔ حرم شریف میں ذکر واذکار' نماز اور طواف بلاشبہ بڑے اجر کے کام ہیں' مگر خانۂ کعبہ کے سامنے بیٹھ کر اُسے تکتے رہنا بھی ثواب کا موجب ہے۔

حضرت حسان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ان الله خلق لهذا البيت عشرين ومائة رحمة ينزلها فى كل يوم' فستون منها للطائفين واربعون للمصلين وعشرون للناظرين. (۵)

''اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے لیے ایک سو بیس رحمتیں پیدا فرمائی ہیں جو وہ ہر روز اُس پر نازل فرماتا ہے۔ پس ان میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں، چالیس رحمتیں نماز پڑھنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں خانہ کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے ہیں''۔

یوں جو شخص بیت الحرام تک پہنچ گیا وہ محض اللہ کے گھر کی طرف عقیدت کے ساتھ تکتا رہے تو بھی ثواب حاصل کرتا ہے۔

احترامِ قبلہ

حدیث میں ہے کہ جو شخص غلطی سے کعبہ کی جانب مُنہ کر کے رفع حاجت کے لیے بیٹھ گیا، پھر بیٹھے بیٹھے اُسے خانۂ خدا کی عظمت کا خیال آیا تو اُس نے اُسی وقت اپنا رُخ دوسری طرف پھیر لیا تو اٹھنے سے پہلے اُس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ دیکھئے یہ کتنا معمولی سا عمل ہے مگر احترامِ حرم کے احساس نے اُس کو کتنا عظیم بنا دیا! (٦)

ماں باپ کو محبت سے دیکھنا

اللہ کی رحمت کا اندازہ لگائیے کہ خانہ کعبہ تک تو بہرحال وہی پہنچ سکتے ہیں جو صاحبِ استطاعت ہوں، مگر جو وہاں تک نہیں پہنچ پاتے اُن کے لیے بھی ثواب کمانے کا آسان طریقہ ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف محبت اور پیار کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ بڑا اجر و ثواب پاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلٰى وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُوْرَةً)) قَالُوْا : وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟ قَالَ : ((نَعَمْ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ)) (٧)

''جو نیک بیٹا اپنے والدین کو بنظرِ رحمت دیکھے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ہر نظر کے بدلے ایک مقبول حج کا ثواب لکھ لیتے ہیں''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر کوئی آدمی ایک دن میں سو مرتبہ دیکھے (تو کیا اسے سو حج مبرور کا ثواب ملے گا)؟ آپ ؐ نے فرمایا: ''ہاں، اللہ تعالیٰ بہت بڑے ہیں اور بہت پاکیزہ ہیں''۔

یوں نیکوکار بیٹے یا بیٹیاں بڑی آسانی سے اپنے گھر کے اندر رہ کر صبح و شام اجرِ عظیم حاصل کرتے رہتے ہیں۔

سلام کرنا

مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں۔ یہ سلام کہنا بذاتِ خود بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے' حالانکہ بظاہر یہ عمل بالکل معمولی نظر آتا ہے۔ اکثر لوگ اس آسان سے عمل کی اہمیت سے بے خبر ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کی وجہ سے سلام کرنے کا عام رواج تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بلاضرورت بازار جاتے اور لوگوں کو سلام کرتے اور بعض اوقات خرید و فروخت کے بغیر گھر واپس آ جاتے۔ طفیل بن ابی بن کعبؒ فرماتے ہیں:

> ''میں ہر صبح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ پھر وہ مجھے صبح صبح بازار لے جاتے۔ بازار میں جس کے پاس سے گزرتے اُسے سلام کہتے' خواہ کوئی ردّی بیچنے والا ہوتا یا کوئی بڑا تاجر ہوتا' یا کوئی مسکین ہوتا یا کوئی اور ہوتا' ہر ایک کو السلام علیکم کہتے تھے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس گیا' وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر بازار جانے لگے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ بازار میں کیا کریں گے؟ نہ تو آپ خرید و فروخت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی سودے کے بارے میں پوچھتے ہیں' نہ کسی سے بھاؤ دریافت کرتے ہیں اور نہ بازار کی کسی محفل میں جا کر بیٹھتے ہیں۔ پس آج آپ ہمارے پاس یہیں بیٹھیں اور باتیں کریں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ''اے طفیل! ہم روزانہ صبح صرف اس غرض سے بازار جاتے ہیں کہ جو مسلمان بھی ملے اُسے السلام علیکم کہیں (اور ثواب پائیں)۔''(۸)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا ''السلام علیکم!'' آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا' جب وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''دس''۔ یعنی اس شخص کو دس نیکیاں ملیں۔ پھر ایک اور آدمی آیا اور اُس نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ!'' آپؐ نے اُس کے سلام کا جواب دیا' جب وہ آدمی بیٹھ گیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''بیس''۔ یعنی اس شخص کو بیس نیکیاں مل گئیں۔ پھر ایک تیسرا آدمی آیا اور اُس نے کہا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!'' آپؐ نے اس کے سلام کا جواب دیا' جب وہ مجلس میں بیٹھ گیا تو آپؐ نے فرمایا: ''تیس''۔ یعنی اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔(۹)

آپ نے دیکھا کہ اتنے آسان عمل کا کتنا بڑا ثواب ہے!

روزے دار کا اجر، جب اُس کے سامنے کھانا کھایا جائے

ایک شخص روزے سے ہے۔ اگر اُس کے پاس کوئی ایسا شخص کھانا کھاتا ہے جو کسی عذر کی بنا پر روزہ نہیں رکھ سکا تو اس روزہ دار کو بڑا ثواب ملتا ہے، اس لیے کہ پاس ایک شخص کھانے سے بھوک مٹا رہا ہے مگر اسے کھانے کی اجازت نہیں اور وہ اللہ کی رضا کے لیے بھوک پیاس برداشت کر رہا ہے۔ اس وقتی سے صبر پر بھی روزہ دار اجر پا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے تو کسی معذور غیر روزہ دار کو اپنے پاس بلا کر اسے کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے تاکہ اجر عظیم حاصل کریں۔

حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ عَلَیْهَا فَقَدَّمَتْ اِلَیْهِ طَعَامًا فَقَالَ : ((کُلِیْ)) فَقَالَتْ : اِنِّیْ صَائِمَةٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((اِنَّ الصَّائِمَ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ الْمَلَائِکَةُ اِذَا اُکِلَ عِنْدَهٗ حَتّٰی یَفْرُغُوْا)) (۱۰)

''نبی اکرم ﷺ اُن کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے آپؐ کو کھانا پیش کیا، پس آپؐ نے فرمایا: ''اُمّ عمارہ! تم بھی کھاؤ''۔ انہوں نے کہا: میں تو روزے سے ہوں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جب روزہ دار کے پاس کچھ کھایا جائے تو کھانا کھانے والوں کے فارغ ہونے تک فرشتے اس روزہ دار کے لیے رحمت اور بخشش کی دُعا کرتے رہتے ہیں''۔

اترا ہوا لباس صدقہ کرنا

صدقہ وخیرات تو بڑے اجر وثواب کے کام ہیں۔ اسی طرح کسی ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا بھی اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ جب کوئی شخص نیا کپڑا پہنے اور اپنا پرانا کپڑا اتار کر کسی ضرورت مند کو دے دے تو اس معمولی سے عمل پر اللہ تعالیٰ اُسے اپنے سایۂ رحمت میں لے لیتا ہے۔ جب نیا کپڑا مل جائے تو پرانا کپڑا فالتو ہو جاتا ہے۔ یہ فالتو کپڑا صدقہ میں دے دینا کوئی بڑا عمل نہیں، مگر اس پر اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ کی کمالِ رحمت کا مظہر ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نیا لباس زیب تن کیا اور یہ الفاظ کہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ (۱۱)

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے کپڑا پہنایا جس سے میں اپنا ستر ڈھانپتا ہوں اور زینت حاصل کرتا ہوں۔''

پھر اپنے اتارے ہوئے پرانے کپڑے کو صدقہ کر دیا اور کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

((مَنْ لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيْدًا فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَيَاتِیْ ثُمَّ عَمَدَ اِلَى الثَّوْبِ الَّذِیْ اَخْلَقَ فَتَصَدَّقَ بِهٖ كَانَ فِیْ كَنَفِ اللّٰهِ وَفِیْ حِفْظِ اللّٰهِ وَفِیْ سَتْرِ اللّٰهِ حَيًّا وَمَيِّتًا)) (۱۲)

''جو شخص کوئی نیا لباس پہنے، پھر مذکورہ بالا دعا پڑھے اور پرانا لباس اتار کر صدقہ کر دے تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت اور اس کی حفاظت میں ہوگا۔''

کھانے کا برتن صاف کرنا

اسلام صفائی، ستھرائی، نظافت اور طہارت پر بڑا زور دیتا ہے۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کی تاکید کی گئی ہے، تاکہ کھانا کھانے والا صاف ستھرے ہاتھوں کے ساتھ بلا تکلف کھانا کھا سکے۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ لینا بھی مستحسن عمل ہے۔ اس سے انگلیوں کے ساتھ لگی ہوئی غذا بھی ضائع نہیں ہوگی اور انگلیاں بھی صاف ہو جائیں گی۔ اسی طرح کھانے کے برتن کو بھی اچھی طرح صاف کر دینا چاہیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھانا کھانے کے بعد انگلیاں اور برتن چاٹنے اور صاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

((اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِیْ اَيَّةِ الْبَرَكَةُ)) (۱۳)

''تمہیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصے اور ذرے میں برکت ہے''۔

پس اس بُرے رواج کو چھوڑ دینا چاہیے کہ کھانے کے برتن میں کھانا چھوڑ دیا جائے یا اچھی طرح صاف نہ کیا جائے۔ اسی طرح کھانا کھا کر ہاتھ کی انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے۔ کئی دیگر حکمتوں کے علاوہ اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے والی غذا کی قدر کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَكَلَ فِیْ قَصْعَةٍ ثُمَّ لَحِسَهَا اسْتَغْفَرَتْ لَهُ الْقَصْعَةُ)) (۱۴)

''جو شخص کسی برتن میں کھانا کھا کر اُسے اچھی طرح صاف کر لے اور چاٹ لے تو وہ برتن اس شخص کے لیے بخشش و مغفرت کی دعا مانگتا ہے۔''

گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھا لینا

اگر کھانا کھاتے وقت لقمہ ہاتھ سے گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا برکت کا باعث ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ:

((اِنَّ الشَّیْطَانَ یَحْضُرُ اَحَدَکُمْ عِنْدَ کُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَاْنِہٖ حَتّٰی یَحْضُرَہٗ عِنْدَ طَعَامِہٖ فَاِذَا سَقَطَتْ مِنْ اَحَدِکُمُ اللُّقْمَۃُ فَلْیُمِطْ مَا کَانَ بِھَا مِنْ اَذًی ثُمَّ لِیَاْکُلْھَا وَلَا یَدَعْھَا لِلشَّیْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْیَلْعَقْ اَصَابِعَہٗ فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ فِیْ اَیِّ طَعَامِہٖ تَکُوْنُ الْبَرَکَۃُ)) (۱۵)

''شیطان اپنے ہر مناسب موقع پر تمہارے پاس حاضر ہو جاتا ہے' یہاں تک کہ کھانے کے وقت بھی حاضر ہوتا ہے' لہٰذا جب تم میں سے کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو اُسے چاہیے کہ گرد وغیرہ صاف کر کے کھا لے اور شیطان کے لیے نہ چھوڑے' پھر کھانا کھانے سے فارغ ہو کر اپنی انگلیاں چاٹ لے' کیونکہ اسے یہ پتا نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے''۔

کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لینا' برتن صاف کر دینا اور گرا ہوا لقمہ صاف کر کے کھا لینا چنداں مشکل نہیں' مگر اس پر مغفرت اور برکت کا حاصل ہونا کتنی بڑی بات ہے!

مریض کی عیادت

بیماری انسانی زندگی کا لازمہ ہے۔ مریض بیماری کی تکلیف میں ہمدردی اور حوصلہ افزائی کا طالب ہوتا ہے۔ چنانچہ مریض کی عیادت اگر پورے آداب کے ساتھ کی جائے تو بڑے اجر و ثواب کا کام ہے' جبکہ مریض کی عیادت ایک آسان سا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((مَنْ اَتٰی اَخَاہُ الْمُسْلِمَ عَائِدًا مَشٰی فِیْ خَرَافَۃِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی یَجْلِسَ' فَاِذَا جَلَسَ غَمَرَتْہُ الرَّحْمَۃُ' فَاِنْ کَانَ غُدْوَۃً صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُمْسِیَ' وَاِنْ کَانَ مَسَاءً صَلّٰی عَلَیْہِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَکٍ حَتّٰی یُصْبِحَ)) (۱۶)

''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی تیمار داری کے لیے آتا ہے گویا وہ ایک طرح سے جنت کی طرف آ رہا ہے یہاں تک کہ وہ مریض کے پاس بیٹھ جاتا ہے' پس جب وہ مریض کے پاس بیٹھتا ہے تو رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اگر وہ صبح کے وقت

مریض کی عیادت کے لیے آتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں اور اگر وہ شام کو آئے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہتے ہیں''۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ تَوَضَّأَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا)) (۱۷)

''جو شخص اچھی طرح وضو کرے' پھر محض ثواب کی نیت سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کے لیے جائے تو وہ دوزخ سے ستّر سال کی مسافت کے برابر دور کر دیا جاتا ہے۔''

اتنی معمولی سی بات پر دوزخ سے دُوری اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کی ہی مظہر ہو سکتی ہے۔

نماز جنازہ میں شرکت

دوست احباب یا اعزہ واقارب میں سے جب کوئی فوت ہو جائے تو اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ کسی کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا ایک اخلاقی تقاضا' شرعی ذمہ داری اور میت کا حق ہے۔ چنانچہ اس فریضے کی ادائیگی بھی بڑے اجر وثواب کا باعث ہے' حالانکہ اس میں نہ زیادہ وقت لگتا ہے اور نہ ہی کوئی بڑی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((مَنْ صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَلَهٗ قِيْرَاطٌ ' فَاِنْ شَهِدَ دَفْنَهَا فَلَهٗ قِيْرَاطَانِ' اَلْقِيْرَاطُ مِثْلُ اُحُدٍ)) (۱۸)

''جو آدمی کسی (مسلمان میت) کی نماز جنازہ میں شرکت کرے تو اسے ایک قیراط ثواب ملے گا' اور اگر میت کے دفن ہونے تک ساتھ رہے تو اسے دو قیراط ثواب ملے گا۔ (آپؐ نے فرمایا) ایک قیراط کی مقدار اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔''

اس قدر معمولی مشقت پر اتنے بڑے ثواب کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی جنازے کے ساتھ ضرور شرکت کرے اور اگر ہو سکے تو دفن تک وہاں موجود رہے۔

نمازِ جمعہ کی تیاری اور شرکت

جیسا کہ اوپر بیان ہوا' اسلام میں طہارت اور نظافت کی بڑی اہمیت ہے۔ اعضائے وضو تو ہر نماز کے وقت دھونے ہوتے ہیں۔ البتہ غسل کرنا جمعہ کے دن نماز جمعہ کی تیاری کا

حصہ ہے۔ جمعہ کے دن صبح اٹھ کر غسل کرنا' صاف ستھرے کپڑے پہننا' خوشبو لگانا' مسواک کرنا وغیرہ سارے صفائی اور ستھرائی کے کام ہیں جس سے انسان کی طبیعت میں بشاشت اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ اس پر بھی کریم ورحیم پروردگار اپنی شان کے مطابق اجر وثواب سے نوازتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ كُفِّرَتْ عَنْهُ ذُنُوْبُهُ وَخَطَايَاهُ' فَإِذَا اَخَذَ فِي الْمَشْيِ كُتِبَ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عِشْرُوْنَ حَسَنَةً' فَإِذَا انْصَرَفَ مِنَ الصَّلَاةِ أُجِيْزَ بِعَمَلِ مِائَتَيْ سَنَةٍ)) (۱۹)

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرلے اس کے گناہ اور خطائیں معاف کردی جاتی ہیں' پھر جب وہ چل کر (مسجد کی طرف) جاتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے بیس بیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں' پھر جب نماز سے فارغ ہو کر واپس گھر جاتا ہے تو اس کو دو سو سال کے عمل کا بدلہ دیا جاتا ہے۔''

نمازِ جمعہ کی تیاری کے ضمن میں غسل کرنا کس قدر معمولی عمل ہے' مگر اجر وثواب کے اعتبار سے یہ کام کتنی بڑی فضیلت کا حامل ہے کہ گناہوں اور خطاؤں کی بخشش کا ذریعہ بن جاتا ہے!

جمعہ کے دن جلدی مسجد جانا

ہفتے میں ایک دن یعنی یوم الجمعہ خصوصی عبادت اور فضیلت کا دن ہے۔ اس روز ظہر کی چار رکعتوں کے بجائے جمعہ کی نماز کی دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز سے قبل خطیب وعظ کرتا ہے جس میں دین کی تعلیمات حاضرین کو سنائی جاتی ہیں۔ اگرچہ خود جمعہ بڑا بابرکت دن ہے مگر اس دن خطیب کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے مسجد میں پہنچ جانا بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں۔ اوّل وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے' پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہے' پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی ہے' اور اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی اور اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی۔ پھر جب امام

خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہو جاتے ہیں۔''(۲۰)

راستے سے رکاوٹ دُور کرنا

دوسروں کی خیر خواہی اسلامی اخلاق کی ایک اہم شق ہے۔اس خیر خواہی کے سلسلے میں ادنیٰ سے ادنیٰ عمل بھی ثواب سے خالی نہیں۔راستے پر بعض اوقات کوئی روڑہ' پتھر کا ٹکڑا یا کانٹے دار درخت کی شاخ پڑی ہوتی ہے۔اگر اس خیال سے وہ روڑہ' پتھر یا کانٹا راہ سے ہٹا دیا جائے کہ راہگیر پتھر سے ٹھوکر نہ کھا جائیں یا کسی کے پاؤں میں یا گاڑی کے ٹائر میں کانٹا نہ چبھ جائے' تو یہ معمولی سا عمل بڑے اجر کا باعث ہے۔اور کیا عجب کہ یہی چھوٹا سا عمل کسی کی بخشش کا سبب بن جائے! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِيْ بِطَرِيْقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيْقِ فَاَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ))(۲۱)

''ایک شخص نے راستے میں کانٹے دار شاخ دیکھی اور ہٹا دی تو اللہ تعالیٰ نے اس عمل کو قبول فرما کر اُسے بخش دیا۔''

تلاوتِ قرآن مجید

قرآن مجید کی تلاوت کس قدر آسان سا کام ہے! چند منٹوں میں درجنوں آیات بآسانی تلاوت کی جاسکتی ہیں۔اس عمل کے اجر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ "الٓمٓ" حَرْفٌ' وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))(۲۲)

''جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمالی اور ایک نیکی اللہ کے ہاں دس نیکیوں کے برابر ہے' اور میں یہ نہیں کہتا کہ ''الٓمٓ'' ایک حرف ہے' بلکہ ''الف'' ایک حرف ہے ''لام'' ایک حرف ہے اور ''میم'' ایک حرف ہے''۔

یوں الٓمٓ پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں۔پس جو شخص چند منٹ تلاوت کر لے وہ ڈھیروں نیکیاں کما سکتا ہے۔

روزہ افطار کرانے کا ثواب

رمضان ماہِ صیام ہے۔مسلمان اس میں روزہ رکھتے ہیں۔صبح صادق کے وقت سحری کھا

کر سارا دن کچھ کھانا پینا نہیں ہوتا۔ غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی افطاری کا وقت ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے اُس وقت بھوک زوروں پر ہوتی ہے' ایسی حالت میں کسی روزہ دار کو کھانے پینے کا سامان فراہم کرنا (اگرچہ وہ سامان قلیل ہی ہو) بہت بڑی نیکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا)) (۲۳)

''جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کو روزہ دار ہی کے مثل ثواب ملے گا' اس حال میں کہ روزہ دار کے ثواب میں بھی کچھ کمی نہیں ہوگی۔''

ظاہر ہے کہ روزہ رکھنا تو مشقت کا کام ہے مگر افطار کرانا تو معمولی سی بات ہے جس پر پورے روزے کا ثواب اللہ کی رحمت اور مہربانی ہی کا مظہر ہے۔ اور روزہ تو محض پانی یا لسی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور سے بھی افطار کرایا جا سکتا ہے۔

باوضو سونا

صاف ستھرا رہنا انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ اس سے انسان کی طبیعت تروتازہ اور ہشاش بشاش رہتی ہے۔ اسلام میں نماز سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے۔ وضو میں ہاتھ' پاؤں' چہرہ اور بازو دھوئے جاتے ہیں جس سے صفائی حاصل ہوتی ہے اور انسان پاکیزگی اور تازگی محسوس کرتا ہے۔ وضو جہاں پاکیزگی کا باعث بنتا ہے وہاں اس سے اجر و ثواب بھی ملتا ہے۔ صلحاء اور اتقیاء کا معمول ہے کہ وہ اکثر باوضو رہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''جو شخص باوضو ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بستر پر سو جائے اور رات کو کروٹ بدلتے ہوئے یا ویسے ہی بیداری کے وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کے نیک امور میں سے کسی چیز کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ وہ چیز اسے عنایت فرما دیتے ہیں اور ایک فرشتہ ساری رات اس کے پاس رہتے ہوئے اس کے لیے دعا کرتا رہتا ہے کہ اے اللہ! اب اس بندے کو بخش دے' کیونکہ یہ باوضو سویا ہے۔'' (۲۴)

مقروض کو مہلت دینا

مسلم شریف کی ایک حدیث میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

''اگلی اُمتوں میں سے ایک شخص سے اُس کی وفات کے بعد فرشتوں نے پوچھا: کیا

تو نے کوئی نیک عمل کیا؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ فرشتوں نے کہا: یاد کر (شاید کوئی نیک عمل یاد آ جائے)۔ کہنے لگا: میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا' میں نے اپنے ملازموں کو تاکید کر رکھی تھی کہ تنگ دست کو مہلت دیا کرو اور آسودہ حال سے نرم برتاؤ کیا کرو۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: (اے فرشتو!) تم بھی میرے بندے سے درگزر کرو''۔(۲۵)

دیکھئے قرض معاف تو نہیں کیا جا رہا' بلکہ تنگ دست سے سختی کے ساتھ تقاضا نہ کرنے اور کچھ مہلت دینے سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس آدمی کا کسی دوسرے آدمی پر کوئی حق (قرضہ وغیرہ) واجب الادا ہو اور وہ اس مقروض کو ادا کرنے کے لیے اُسے مہلت دے تو اس کو ہر دن کے عوض صدقہ کا ثواب ملے گا''(۲۶)

چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بہت محبت ہے' لہٰذا جو شخص اُس کے بندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اُس پر وہ خوش ہوتا ہے۔ خدمت خلق کے ضمن میں چھوٹے چھوٹے کاموں پر اللہ تعالیٰ بڑے بڑے اجر عطا کرتا ہے۔ کسی بھوکے کو کھانا کھلانا' یا کسی تنگ دست کو لباس مہیا کرنا اللہ کی خوشنودی کے کام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ' وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ' وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))(۲۷)

''جس نے کسی شخص سے دنیا کے دکھوں میں سے ایک دُکھ دور کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دکھوں میں سے ایک دکھ اُس شخص سے دور کر دے گا' اور جس نے تنگ حال شخص پر آسانی کی تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی فرما دے گا' اور جس شخص نے کسی مسلمان (کے عیب) پر پردہ ڈالا تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔

مسواک کرنا

مسواک کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ نہ اس میں جسمانی مشقت ہے اور نہ کوئی پیسہ خرچ ہوتا ہے' بلکہ اس عمل سے دانت مضبوط ہوتے ہیں' منہ میں تعفن پیدا نہیں ہوتا اور انسان کئی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مگر اس معمولی سے کام کا اجر دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

نماز کے لیے وضو شرط ہے اور وضو کے موقع پر مسواک کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ مسواک کے بغیر بھی وضو ہو جاتا ہے' مگر مسواک کر کے جو وضو کیا جائے گا اُس وضو کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز کا مرتبہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ نماز جس کے لیے مسواک کی جائے اس نماز کے مقابلہ میں ستّر گنا فضیلت رکھتی ہے جو بلا مسواک پڑھی جائے۔''(۲۸)

عربی محاورے میں ستّر کا لفظ کثرت کے لیے بولا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی بعید نہیں کہ یہاں سبعین کا لفظ ستّر ہی کے معنوں میں ہو۔ تو اگر بندہ ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو کرے اور مسواک بھی کرے تو اس طرح ایک دن میں پڑھی جانے والی پانچ نمازیں اجر کے اعتبار سے ۳۵۰ نمازوں کے برابر شمار کی جائیں گی۔ اللہ کی رحمت تو بے حد وسیع ہے' وہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ اجر و ثواب عطا فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ کثرت سے مسواک استعمال کرتے۔ دن یا رات میں جب بھی آپؐ سوتے تو اٹھنے کے بعد وضو کرنے سے پہلے مسواک ضرور فرماتے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلَاۃٍ))(۲۹)

''اگر مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ میری اُمت پر بہت مشقت پڑ جائے گی تو میں ہر نماز کے وقت انہیں مسواک کا حتمی حکم دے دیتا۔''

فوت شدگان کے لیے استغفار

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ ہر شخص کو دار العمل سے دار البقاء کی طرف کوچ کرنا ہے۔ وہاں اپنے اعزہ و اقارب' دوست و احباب کچھ کام نہ آئیں گے' بلکہ صرف اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ جو شخص وفات پا جاتا ہے اب اُس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ کسی طور سے اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کا اضافہ کر سکے۔ مگر زندہ لوگ مرنے والوں کے حق میں دعائے مغفرت کر کے انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں والدین اور جملہ مسلمانوں کے لیے ان الفاظ میں دُعا سکھائی ہے ﴿رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (ابراھیم) ''اے ربّ ہمارے! بخش دیجیو گناہ میرے' میرے والدین کے اور تمام مؤمنوں کے جس دن حساب کتاب قائم ہوگا''۔ صاف ظاہر ہے جب یہ دعا خود پروردگار نے سکھائی ہے تو لازماً یہ نتیجہ خیز ہوگی اور فوت شدگان کے حق میں گناہوں کی معافی کا سبب بنے گی۔ مگر رحمت حق کا اندازہ لگائیے کہ دعائے مغفرت کرنے والا اس معمولی سے کام

پر کتنا بڑا اجر پاتا ہے۔ معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو بندہ عام ایمان والوں اور ایمان والیوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے گا اس کے لیے ہر مؤمن مرد اور عورت کے بدلے ایک ایک نیکی لکھی جائے گی''۔(۳۰)

کلماتِ استغفار کی فضلیت دیکھئے کہ جس کے حق میں استغفار کیا جائے اُسے بھی گراں قدر فائدہ پہنچتا ہے اور استغفار کرنے والا بھی بے شمار نیکیاں حاصل کر لیتا ہے۔

شہادت کا ثواب

شہید فی سبیل اللہ کے مقام و مرتبہ سے کون واقف نہیں! شہید فی سبیل اللہ وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہوا مارا جائے۔ مقتول فی سبیل اللہ کی فضیلت قرآن و حدیث میں واضح کی گئی ہے۔ شہید کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں سوائے قرض کے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے بہت سے چھوٹے چھوٹے اعمال پر شہادت کا اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے وطن سے دُور حالتِ سفر کی موت بھی شہادت ہے۔(۳۱)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک روز صحابہؓ کو مخاطب کر کے) فرمایا:

> ''تم لوگ اپنے میں کس کو ''شہید'' شمار کرتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا کہ (ہمارے نزدیک تو) جو بندہ راہِ خدا میں قتل کیا گیا وہی شہید ہے..... آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس صورت میں تو میری اُمت کے شہداء تھوڑے ہی ہوں گے..... (سنو!) جو بندہ راہِ خدا میں قتل کیا گیا وہ شہید ہے، اور جس بندے کا انتقال راہِ خدا میں ہوا (یعنی جہاد کے سفر میں جس کو موت آ گئی) وہ بھی شہید ہے، اور جس بندے کا طاعون میں انتقال ہوا وہ بھی شہید ہے، اور جس بندے کا پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا (جیسے کہ ہیضہ، تخمہ، اسہال، استسقاء وغیرہ) وہ بھی شہید ہے''۔(۳۲)

اگرچہ موت کی یہ کیفیات انسان کے اپنے بس میں نہیں مگر اس طرح کی حادثاتی اموات پر شہادت کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت کا مظہر ہے جس میں ذرا بھی تعجب نہیں۔

حواشی

(۱) استعظام الصغائر، از مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی۔
(۲) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

(۳) مسند احمد و جامع الترمذی۔
(٤) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی رحمة الیتیم و کفالته۔
(٥) رواه ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما مرفوعاً، تاریخ مکة، ص ٥۔
(٦) استعظام الصغائر، ص۲۷، از مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی۔
(۷) رواه البیهقی۔
(۸) رواه مالك والبیهقی فی شعب الایمان۔ ومشکوٰة، ج۲، باب السلام۔
(۹) جامع الترمذی و ابوداوٗد، بحواله معارف الحدیث، ج۳۔
(۱۰) سنن الترمذی، کتاب الصوم عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی فضل الصائم اذا اکل عنده۔
(۱۱) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللهﷺ، باب فی دعاء النبی ﷺ۔
(۱۲) سنن الترمذی، کتاب الدعوات عن رسول اللهﷺ، باب فی دعاء النبیﷺ۔
(۱۳) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب استحباب لقی الاصابع والقصعة واکل اللقمة الساقطة۔
(۱٤) سنن الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی اللقمة تسقط۔ وسنن ابن ماجه، کتاب الاطعمة، باب تنقیة الصحفة۔ ومسند احمد۔
(۱٥) صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب استحباب لعق الاصابع والقصعة واکل اللقمة والساقطة۔
(۱٦) سنن ابن ماجه، کتاب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی ثواب من عاد مریضاً۔
(۱۷) سنن ابی داوٗد، کتاب الجنائز، باب فی فضل العیادة علی وضوء۔
(۱۸) صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاة علی الجنازة واتباعها۔
(۱۹) رواه الطبرانی فی الکبیر والاوسط کذا فی الترغیب والترهیب۔
(۲۰) معارف الحدیث، جلد۳، ص ۲۳٥۔
(۲۱) صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب فضل التهجیر الی الظهر۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان الشهداء۔
(۲۲) سنن الترمذی، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فیمن قرأ حرفا من القرآن ماله من الاجر۔
(۲۳) سنن الترمذی، کتاب الصوم عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی فضل من فطر صائما۔
(۲٤) طبرانی و ابن حبان۔
(۲٥) معارف الحدیث، ج۷، ص ٤۹۳۔ (۲٦) معارف الحدیث، ج۷، ص ٤۹٥۔
(۲۷) صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر۔
(۲۸) شعب الایمان للبیهقی۔
(۲۹) صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب السواك یوم الجمعة۔ وسنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی السواك۔
(۳۰) معارف الحدیث، ج٥، ص ۲۰٦۔ (۳۱) سنن ابن ماجه۔
(۳۲) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان الشهداء۔

فرائضِ اولاد

قرآن وحدیث کی روشنی میں

ذی شان دانش خان

والدین کا مقام

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ : ((اُمُّکَ)) قَالَ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((اُمُّکَ)) قَالَ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ : ((اُمُّکَ)) قَالَ : ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ((اَبُوْکَ))[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں کا (تجھ پر سب سے زیادہ حق ہے)''۔ اُس صحابیؓ نے دوبارہ عرض کیا کہ اس کے بعد سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟ آپؐ نے پھر یہی ارشاد فرمایا: ''تیری ماں کا''۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر بھی آپؐ نے یہی فرمایا: ''تیری ماں کا!'' اور چوتھی مرتبہ پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا: ''اب تیرے باپ کا تجھ پر حق ہے!''

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ماں کا حق باپ سے تین درجہ زیادہ ہے۔ کیونکہ ماں نے تکلیفوں پر تکلیفیں جھیل کر اولاد کو جنم دیا ہوتا ہے اور اس کی پرورش کی ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴿۱۴﴾﴾ (لقمٰن)

''ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق نصیحت کی ہے' اس کی ماں نے دکھ پر دکھ اٹھا کر اسے حمل میں رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا ہے دو برس میں' (اب تم کو چاہیے) کہ تم میری اور اپنے ماں باپ کی شکرگزاری کرو۔ (تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر توحید و عبادتِ الٰہی کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ ایک انسان کے لیے اس دنیا میں سب سے زیادہ حُسن خلق اور احسان کی روش کی مستحق صرف اور صرف والدین کی ہستی ہوتی ہے۔

حقوقِ والدین' زندگی میں

(۱) احترامِ والدین

والدین کی اطاعت اور اُن کا احترام کرنا ہر انسان کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ احترامِ والدین کے اعتبار سے قرآن مجید میں سورۂ بنی اسرائیل کی آیات ۲۳ تا ۲۵ نقطۂ عروج کا درجہ رکھتی ہیں۔ اگرچہ قرآن حکیم میں بہت سے دوسرے مقامات پر بھی والدین کے احترام کی تاکید آئی ہے' لیکن اس مقام پر جس قدر وضاحت اور تاکید وارد ہوئی ہے اس کی نظیر دوسرے مقامات پر نہیں ملتی۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا﴾ (آیت ۲۳)

''اور تمہارے پروردگار نے طے کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (تیرے ربّ نے یہ بھی طے کر دیا ہے کہ) والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے۔''

یہاں پر اللہ پاک نے توحید کے ساتھ ہی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ سب سے بڑھ کر حق تو اللہ کا ہے۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے' خالص اُسی کی بندگی ہو' جبکہ معاشرے میں افراد کے درمیان سب سے بڑھ کر حق والدین کا ہے۔ آگے فرمایا:

﴿اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا ﴿۲۳﴾﴾

''اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کی عمر کو اُن میں سے ایک یا دونوں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو' اور ان سے نرمی کے ساتھ (ادب سے) بات کرو۔''

یعنی بوڑھے والدین کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنے یا سرزنش کا کوئی کلمہ زبان سے نکالنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہاں یہ ہدایات اس لیے بھی دی جا رہی ہیں کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ بچہ اور بوڑھا برابر ہوتے ہیں' بڑھاپے کی ایک سٹیج ''ارذل العمر'' بھی ہوتی ہے' جہاں جسمانی قویٰ کے ساتھ ساتھ ذہنی قویٰ بھی جواب دے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ان کی کوئی فرمائش پوری کرنا تمہارے لیے ممکن نہ ہو تو اس صورت میں بھی تم انہیں جھڑکو نہیں' بلکہ نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرو اور ادب کا دامن نہ چھوٹنے پائے' حتیٰ کہ انہیں ''اُف'' تک کہنے کی اجازت بھی نہیں۔ آگے فرمایا:

﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾﴾

''اور ان کے سامنے اپنے دونوں شانوں کو عاجزی کے ساتھ نیازمندی سے جھکا دے اور کہہ: اے میرے ربّ! جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں پالا پوسا ہے' اسی طرح تو بھی اُن پر رحم فرما۔''

قرآن مجید نے اس معاملے کو منطقی انتہا تک پہنچا دیا ہے کہ بوڑھے والدین کے سامنے اپنے دونوں شانے رحمت و شفقت کے ساتھ جھکا کر رکھو۔ انہیں یہ احساس نہ ہو کہ آج جبکہ میں کمزور اور لاغر ہوں' میری اولاد میرے سامنے سینہ تان کر بات کر رہی ہے۔ کیونکہ یہ ان کے لیے بہت بڑے صدمے کی بات ہوگی۔ کل تک تم ان کی رحمت و شفقت کے مستحق تھے' آج وہ تمہاری محبت و شفقت کے مستحق ہیں۔ اس پر بھی بس نہیں' بلکہ یہ سب کچھ کر کے بھی تم یہ نہ سمجھو کہ تم نے ماں باپ کی خدمت کا حق ادا کر دیا ہے' کیونکہ تم اس کا حق ادا کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے لیے مسلسل دعا بھی کرتے رہو کہ اے میرے پروردگار! اُن پر ویسا ہی رحم فرما جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾﴾

''جو تمہارے دلوں میں ہے تمہارا ربّ خوب جانتا ہے' اگر تم نیکوکار ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔''

یعنی اگر تم نیک نیتی سے والدین کی خدمت میں لگے ہوئے ہو' لیکن پھر بھی کوئی کوتاہی ہو جائے

تو اللہ سے توبہ واستغفار کرو، وہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

والدین کے ادب واحترام کے ضمن میں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ دوسروں کے والدین اور بزرگوں کا بھی ادب و احترام ملحوظ رکھا جائے، تاکہ معاشرے میں بزرگوں کے ادب واحترام کی روش پیدا ہو اور تمہارے والدین کے ادب واحترام کا دوسرے لوگ خیال رکھیں۔ اس بات کی راہنمائی ہمیں اس حدیث نبویؐ سے ملتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَنْ یَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ)) قِیْلَ : یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَکَیْفَ یَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَیْهِ؟ قَالَ : ((یَسُبُّ الرَّجُلُ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاهُ وَیَسُبُّ اُمَّهُ)) (۲)

''یقیناً یہ کبیرہ گناہوں میں سے بھی سب سے بڑا گناہ ہے کہ آدمی اپنے والدین پر لعنت کرے (ان کو برا بھلا کہے)''۔ پوچھا گیا اے اللہ کے رسولؐ! آدمی اپنے والدین کو کیسے برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''آدمی کسی دوسرے کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ جواباً اُس کے باپ اور ماں کو گالی دیتا ہے (تو یہ اپنے والدین کو گالی دینے کے مترادف ہے)''۔

(۲) اطاعت وخدمت والدین

قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے والدین کی اطاعت اور خدمت جنت کے حصول کا بہت آسان ذریعہ ہے۔ والدین کی اطاعت کے حوالے سے سورۂ لقمان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

''اگر وہ دونوں (والدین) تجھ پر اس بات کا دباؤ ڈالیں کہ تو اُس کو میرے ساتھ شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا، ہاں دنیا میں اُن کے ساتھ اچھی طرح بسر کرنا اور اس کی راہ چلنا جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔ تم سب کا لوٹنا میری طرف ہی ہے، تو تم جو کچھ کرتے ہو اس سے پھر میں تمہیں خبردار کردوں گا۔''

یعنی والدین کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کے معاملے میں تو ہرگز نہیں کی جائے گی، لیکن پھر بھی دُنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنے کی ہدایت

کی گئی ہے۔ اگر چہ والدین مشرک ہی کیوں نہ ہوں‘ ان کے ساتھ ہر حال میں حسن سلوک سے پیش آنا اولاد کے لیے نہایت ضروری ہے۔ والدین کی خدمت اور اطاعت اس قدر ضروری اور فضیلت کی حامل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض مواقع پر والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم ٹھہرایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ ﷺ : أُجَاهِدُ ، قَالَ : ((لَكَ اَبَوَانِ؟)) قَالَ : نَعَمْ، قَالَ: ((فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ)) (۳)

’’ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ’’کیا تمہارے والدین حیات ہیں؟‘‘ اُس نے کہا جی ہاں‘ تو آپؐ نے فرمایا: ’’پس تو ان میں جہاد کر (یعنی ان کی خدمت کر‘ یہی تیرے لیے جہاد ہے)‘‘۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ’’کتاب الادب‘‘ کے ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے:

((لَا يُجَاهِدُ اِلَّا بِاِذْنِ الْاَبَوَيْنِ))

’’کوئی اپنے والدین کی اجازت کے بغیر جہاد نہ کرے‘‘۔

البتہ جب جہاد و قتال کے لیے نفیر عام ہو تو صورت حال بدل جاتی ہے۔

اس کے برعکس والدین کی نافرمانی سے حتی الامکان بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہ اللہ کے حرام کردہ افعال میں سے ہے اور یہ بات آخرت میں جنت سے محرومی اور خسارے کا سبب بن سکتی ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْاُمَّهَاتِ.....)) (۴)

’’یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی حق تلفی کو حرام ٹھہرایا ہے.....‘‘

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ ، وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُغْفَرَ لَهُ ، وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهُ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ))(۵)

’’ذلیل و رسوا ہو وہ شخص جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے! اور ذلیل و رسوا ہو وہ شخص جس کی زندگی میں رمضان آئے‘ پھر اس سے پہلے گزر بھی جائے

کہ اس کی مغفرت کر دی جائے۔ اور ذلیل و رسوا ہو وہ شخص جس کے پاس اس کے والدین بڑھاپے کو پہنچ جائیں مگر وہ اس کو جنت میں داخل نہ کرا دیں!''

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں والدین کی خدمت' اطاعت اور فرمانبرداری سے اُن کے دل خوش کرنے کی توفیق عطا فرمائے' کیونکہ حدیث کی رُو سے باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے اور باپ کی رضامندی میں اللہ کی رضامندی ہے۔

(۳) والدین کی مالی امداد

انسان کو چاہیے کہ وہ والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور مالی طور پر بھی والدین پر کھل کر خرچ کرے۔ خاص طور پر جب والدین بوڑھے ہو جائیں۔ اس حالت میں وہ خود کما نہیں سکتے اور اولاد کے سہارے پر رہ جاتے ہیں۔ اس بڑھاپے کی حالت میں والدین پر خرچ کرنا بہت ہی زیادہ ثواب کا کام ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلْ مَآاَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ.....﴾ (البقرۃ:۲۱۵)

''(اے نبیؐ!) یہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دو فائدہ کی جو چیز تم خرچ کرو پس وہ ماں باپ کے لیے ہے اور رشتہ داروں کے لیے.....''۔

اولاد کو چاہیے کہ یہ خیال کرے کہ جب اس کے والدین جوان تھے تو انہوں نے کس طرح ان کی پرورش کی! اور جب وہ بوڑھے ہو گئے تو اولاد اُن سے منہ پھیر لے اور ان کی خدمت نہ کرے تو کتنی بڑی زیادتی ہے!

حقوقِ والدین' وفات کے بعد

والدین کے حقوق ان کی زندگی میں بھی ہیں اور اُن کے وفات پا جانے کے بعد بھی ہیں' کیونکہ نیک اولاد اپنے والدین کے لیے بہترین صدقۂ جاریہ ہے۔ یہ حقوق درج ذیل ہیں:

(۱) دعا کرنا

اولاد کی دعا والدین کے حق میں مرنے کے بعد اتنا اثر رکھتی ہے کہ اگر والدین ناراضگی کی حالت میں فوت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ والدین کو ان کی اولاد سے راضی کرا دے گا اور اس اولاد کا نام ان لوگوں کی فہرست میں لکھ دے گا جو والدین کے فرماں بردار تھے۔ جیسا کہ

آنحضورﷺ نے فرمایا: ''بندے کے ماں باپ' دونوں یا ان میں سے ایک' جاتا ہے اور بندہ ان کا نافرمان ہوتا ہے' پھر اُن کے لیے دعا واستغفار کرتا رہتا ہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے سعادت مندوں میں لکھ دیتا ہے''۔(٦)

اولاد کا والدین کے لیے دُعائے مغفرت کرنا تو ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ ذیل میں والدین کی مغفرت کے لیے دعائیں لکھی جارہی ہیں۔ اُن سے پہلے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اولاد کے ہر نیک عمل کا ثواب والدین کو بھی پہنچتا ہے' بغیر اس کے کہ اُس کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے' لہٰذا ہمیں اپنی زندگی کو صحیح رُخ یعنی مکمل شریعت کے مطابق ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ جو شخص پانچ وقت کا نمازی ہوگا وہ دِن میں کم از کم پانچ مرتبہ اپنے لیے' اپنے والدین کے لیے اور تمام مؤمنین کے لیے مغفرت کی دعا تو ضرور کرے گا۔ ذیل میں دو قرآنی دعائیں دی جارہی ہیں:

(١) ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿٤١﴾﴾ (ابرٰھیم)

''اے میرے ربّ! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا' اور اے ہمارے ربّ! ہماری دعا قبول فرما۔ اے ہمارے ربّ! میری' میرے والدین کی اور مؤمنین کی حساب و کتاب کے دن مغفرت فرما''۔ (آمین)

(٢) ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ﴿٢٤﴾﴾

''اے میرے ربّ! ان دونوں (والدین) پر رحم فرما' جیسے کہ انہوں نے میری بچپن میں پرورش کی''۔

ہمیں ان دُعاؤں کو حرزِ جان بنا لینا چاہیے۔ البتہ یہ بات بھی جان لینی ضروری ہے کہ صرف موحّد والدین کے لیے ہی دعائے مغفرت کی جاسکتی ہے۔

(٢) قرض کی ادائیگی

والدین کے فوت ہو جانے کی صورت میں اُن کا قرض اُن کے مال سے فوراً ادا کر دیا جائے' خواہ سارا مال ہی ختم ہو جائے۔ اور اگر انہوں نے مال نہ چھوڑا ہو تو اولاد ان کا قرض ادا کرے۔ اگر پھر بھی ادا نہ ہو سکے تو جو مسلمان بھی احساناً ادا کر دے گا' صحیح ہوگا۔

(٣) صدقہ کرنا

نیک بچہ جو بھی اچھے کام کرے گا اس کے والدین کو اس کے مساوی اجر ملے گا اور اس

کے اپنے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی' اس لیے کہ نیک بچہ والدین کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾﴾ (النجم)

''اور یہ کہ انسان کے لیے کچھ نہیں ہے مگر وہ جس کی اس نے سعی کی ہو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَطْيَبَ مَا اَكَلَ الرَّجُلُ مِنْ كَسْبِهٖ وَاِنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ مِنْ كَسْبِهٖ))(۷)

''سب سے پاکیزہ غذا آدمی کی اپنی کمائی ہے اور اس کی اولاد اس کی کمائی میں شمار ہے۔''

اس کے علاوہ کئی احادیث میں وارد ہوا ہے کہ والد کو نیک بچے کے عمل سے فائدہ ہوتا ہے' جیسے صدقہ کرنا' روزے رکھنا یا غلام آزاد کرنا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

''ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری ماں اچانک فوت ہوگئی اور کوئی وصیت نہیں کی' میرا گمان ہے کہ اگر بولتی تو صدقہ کرتی' اگر میں صدقہ کروں تو کیا اسے اجر ملے گا؟ اور کیا مجھے بھی اس کا اجر ملے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں!''(۸)

(۴) روزے کی قضا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهٗ))(۹)

''جو آدمی مر جائے اور اس کے ذمے روزے ہوں تو اس کا قریبی رشتہ دار اُس کی طرف سے وہ روزے رکھے۔''

اس حدیث سے مراد نذر کے روزے ہیں' رمضان کے فرض روزے نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''ایک عورت نے سمندری سفر پر روانہ ہوتے ہوئے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے بسلامت پار لگا دیا تو ایک ماہ کے روزے رکھوں گی' اللہ تعالیٰ نے بسلامت پار لگا دیا' لیکن مرتے دم تک وہ روزے نہ رکھ سکی۔ اس کی کسی قریبی رشتہ دار (بہن یا بیٹی) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''تیرا کیا خیال ہے کہ اگر اس کے ذمے قرض ہوتا تو تو اسے ادا کرتی یا نہیں؟'' کہنے لگی: ہاں کرتی۔ تو

آپؐ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا قرض تو ادائیگی کا زیادہ مستحق ہے۔ لہٰذا اپنی والدہ کے روزوں کی قضا کر۔'' (۱۰)

(۵) نیک اولاد کے نیک کام

جو کوئی اچھے کام کرے یا اپنے بعد نیک کام یعنی صدقۂ جاریہ چھوڑ دے' مرنے کے بعد اس کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ﴾(یٰسٓ : ۱۲)

''جو کام انہوں نے کیے وہ سب ہم لکھ رہے ہیں اور جو کام پیچھے چھوڑے (وہ بھی ہم لکھ رہے ہیں۔)''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهٗ))(۱۱)

''جب انسان مر جاتا ہے تو ان تین چیزوں کے سوا اس کا اعمال نامہ منقطع ہو جاتا ہے: (یعنی ان تین چیزوں کا اجر ملتا رہے گا) جاری رہنے والا نیک عمل (جب تک اس کا فائدہ لوگوں کو ہوتا رہے)' ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں' نیک بچہ جو اُس کے حق میں دُعا کرے''۔

(۶) والدین کے رشتہ داروں سے حسن سلوک

انسان کو والدین کی زندگی میں یا مرنے کے بعد ہمیشہ والدین کے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ آنحضور ﷺ نے اس کے بارے میں بہت تاکید فرمائی ہے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

((مَنْ آذٰى عَمِّيْ فَقَدْ آذَانِيْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ))(۱۲)

''جس نے میرے چچا کو ایذا دی اس نے مجھ کو دکھ پہنچایا' کیونکہ چچا باپ کے مثل ہوتا ہے۔''

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ اپنے پاس سے دی اور فرمایا:

''چچا بھی تو باپ ہوتا ہے!''

ایک دفعہ ایک شخص نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک بڑا گناہ کیا ہے'

کیا میرے لیے کوئی توبہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تیری ماں زندہ ہے؟'' جواب دیا: نہیں۔ دریافت فرمایا: ''خالہ ہے؟'' جواب دیا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر، یہی اس کی توبہ ہے!''(۱۳)

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدین وانهما احق به۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لا یسب الرجل والدیه۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لا یجاهد الا باذن الابوین۔

(٤) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر۔

(٥) سنن الترمذی، کتاب الدعوات، باب قول رسول اللهﷺ رغم انف رجل۔

(٦) سنن البیهقی۔

(۷) سنن النسائی، کتاب البیوع، باب الحث علی الکسب۔

(۸) صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب وصول ثواب الصدقة عن المیت الیه۔

(۹) صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب من مات وعلیه صوم۔

(۱۰) سنن ابی داؤد، کتاب الایمان والنذور، باب قضاء النذر عن المیت۔

(۱۱) صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما یلحق الانسان من الثوب بعد وفاته۔

(۱۲) سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب العباس بن عبدالمطلب۔

(۱۳) سنن الترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی بر الخالة۔

تقربِ الٰہی کا پسندیدہ ذریعہ

محمد رشید عمر

علم کی بے شمار اقسام ہیں جن کو ہم دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) علومِ صالحہ یا نافعہ (۲) علومِ فاسدہ یا علومِ شر

علوم صالحہ میں سب سے اونچے درجے کا علم علمِ بالوحی یا علم کتاب وسنت ہے۔ علم جتنا صحیح اور وسیع ہوگا اتنا ہی یقین پختہ ہوگا اور پھر ویسے ہی انسان کا عمل ہوگا۔ مثال کے طور پر نو دس سال کا بچہ جو اعداد کے جمع وتفریق اور ضرب وتقسیم کا عمل سمجھتا ہے' آپ اس سے کہیں کہ دو جمع دو آٹھ ہوتے ہیں یا تین ضرب چار کا حاصل بیس ہے' تو بڑے پیارے انداز میں وہ آپ کی تصحیح کر دے گا۔ اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص کسی چیز کا علمی احاطہ نہیں کر پاتا تو نہ صرف وہ خود صحیح نتیجہ نہیں جان سکتا بلکہ کسی کے بتانے پر وہ تذبذب کا شکار ہو جائے گا یا صحیح بات کو قبول کرنے سے انکار کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ﴾ (یونس:۳۹)

''بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت۔''

دین اسلام میں انسانی معاملات کا علم ہو یا رسوم عبودیت کا' اہمیت کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی کر دی گئی ہے۔ وہ اعمال جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کی شکل یعنی کرنے کا طریقہ واضح فرما دیا ہے' وہ فرض کا درجہ رکھتے ہیں۔ فرائض اللہ اور بندوں کے حقوق ہیں جو بندے پر عائد ہوتے ہیں' جن کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کے متعلق آخرت میں پوچھ گچھ ہوگی اور کامیابی اور ناکامی کا دارومدار انہی پر ہوگا۔ فرائض کی کمی کوتاہی کو پورا کرنے کے لیے پہلے واجبات' پھر سنن اور پھر مستحبات کا درجہ آتا ہے جن کی ترغیب نبی اکرم ﷺ کے عمل اور تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ ان میں اہمیت کے اعتبار سے واجبات یا سنن

مؤکدہ مستحبات سے بلند درجہ رکھتی ہیں۔ مباحات کا درجہ بہت بعد میں آتا ہے۔ معاملات میں احکامِ الٰہیہ پر عمل فرض کا درجہ رکھتا ہے' جبکہ اخلاقِ حسنہ سے معاملات کی تکمیل سنن و نوافل کا درجہ رکھتے ہیں۔

فرائض و نوافل میں ترتیب اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ فرائض کا تارک اگر چوبیس گھنٹے سنن و نوافل میں گزار دے تو اللہ کی نگاہ میں اس کی دھیلے کی بھی قدر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص فجر کی دو رکعت فرض نماز ادا نہیں کرتا تو چاہے وہ رات بھر نوافل پڑھتا رہے' دن میں ہزاروں تسبیحات کرتا رہے' اللہ کی نظر میں اس کی ذرہ برابر قدر نہیں ہوگی۔ یہی نسبت زندگی کے دوسرے فرائض کی ہے جو اللہ کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔ ہم اپنا محاسبہ کریں تو کتنے فرائض اور واجبات ہیں جو ہم چھوڑے ہوئے ہیں! ہمارے ذمہ تو اقامت دین اور نفاذِ اسلام کا کام تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو اسی مقصد کے لیے بھیجا تھا۔ آپؐ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغ دین' ہجرت و جہاد اور اظہار دین الحق علی الدین کلہ میں گزری۔ آپؐ کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے ہٹ کر نہیں گزرا۔ لیکن ہماری اجتماعی زندگی میں تو کہیں اقامتِ صلوٰۃ' ادائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی کا کوئی نظام اور کوئی تحریک نظر نہیں آتی۔ من حیث الامّۃ کس درجہ میں ہم فرائض ادا کر رہے ہیں؟ فرائض کی عدم ادائیگی کی صورت میں مباحات پر عمل کرنا کسی طرح بھی اللہ کی رضا کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا' چہ جائیکہ کسی مباح کام کی ترویج کے لیے تحریک برپا کرنا' اس میں شامل نہ ہونے والوں کو قابلِ ملامت سمجھنا' اپنے جلسوں میں ان پر تنقید کر کے تفرقے کی دیواریں اونچی کرنا۔ اربابِ علم دین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا محاسبہ کریں اور اصل کام یعنی فرائضِ دین جن کی عدم ادائیگی سے ہم آخرت میں اللہ کی گرفت کے مستحق بن رہے ہیں اور دنیا میں بھی عزت نام کی کوئی چیز نہیں ہے' لوگوں کے سامنے واضح کریں اور نوجوانوں کے جذبۂ عمل کو ان فرائض کی ادائیگی کی طرف موڑ دیں۔ اللہ کی خوشنودی فرائض کی ادائیگی ہی میں مضمر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیثِ قدسی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ قَالَ : مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِـیًّا فَقَـدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ' وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ ' وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ

اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ ، فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا، وَاِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ)) (۱)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جس نے میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کی میری طرف سے اس کے لیے اعلانِ جنگ ہے۔ میرے بندے کا میرا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ جو مجھے سب سے زیادہ پسند ہے' وہ ان اعمال کی ادائیگی ہے جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں۔ البتہ میرا بندہ نوافل کی ادائیگی سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے' یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں' اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اور اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے' اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو اسے ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر میری پناہ مانگے تو ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں''۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کے کئی گوشوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' لیکن ہمارے سامنے تقرب بالفرائض اور تقرب بالنوافل کے نتائج کو سمجھنا ہے۔ فرائض کی ادائیگی جماعتی سطح پر کرنی ہے۔ یہاں امیر یا امام کی اطاعت لازم ہے۔ نظم کی پابندی ضروری ہے' جیسے نماز باجماعت' اموالِ ظاہرہ پر زکوٰۃ' روزوں کا اہتمام اور پوری اُمت کے افراد کا مل کر فریضۂ حج ادا کرنا۔ ان اعمال کی ادائیگی میں اپنی مرضی نہیں چلتی۔ لیکن سنن ونوافل وہ اعمال ہیں جو انفرادی سطح پر کرنے کے ہیں۔ ان میں جتنا اخفاء ہو سکے اتنا ہی پسندیدہ ہے۔ یعنی اعمال خیر کو جس طرح ظاہری طور پر بجالانا ہے ویسے ہی انفرادی اور خلوت کے اوقات کو اعمالِ خیر کی فکر میں گزارنا محمود ہے۔ جب انسان انفرادی سطح پر تنہائی میں اللہ کے حضور رکوع و سجود کرتا ہے' صدقات وخیرات کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اپنی ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کو استعمال میں لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اقوال واعمال کے پس پردہ فوائد ونقصانات واضح فرما دیتے ہیں۔ آفاق وانفس پر غور کرنے سے ان کی تخلیق کے پس پردہ اغراض ومقاصد اور خالقِ کائنات کی خفیہ کارفرمائی عیاں ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ معرفتِ ربّانی کے دریچے کھلتے ہیں' ایمان میں تازگی آتی ہے اور بصیرتِ باطنی حاصل ہوتی ہے۔ یہی خیر کثیر ہے جسے باری

(۱) صحیح البخاری' کتاب الرقاق' باب التواضع۔

تعالیٰ نے حکمت کہا ہے:

﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۶۹)

''اور جسے حکمت دے دی گئی اسے تو خیر کثیر حاصل ہو گیا''۔

کلام پاک میں اس کی دو مثالیں بڑی نمایاں ہیں۔ پہلا مقام سورۃ البقرۃ کی آیات ۲۶۱ تا ۲۸۰ ہیں جہاں انفاق فی سبیل اللہ کی پرزور تائید آئی ہے۔ وہاں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال ایسے ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بویا جائے' اس سے سات بالیں اگیں' ہر بالی پر سو دانوں والا خوشہ لگ جائے۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے سات سو گنا اجر ملتا ہے' بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ لیکن یہ بات انہی کو سمجھ آ سکتی ہے جن کو حکمت بالغہ عطا کی گئی ہو۔ جن کو یہ حکمت نہیں ملتی وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو جرمانہ اور ٹیکس شمار کرتے ہیں اور راندۂ درگاہِ باری تعالیٰ بن جاتے ہیں۔ حیاتِ رسول ﷺ میں ایک شخص نے مال و دولت میں ترقی کی دعا کروائی' اللہ نے اس کے بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں اتنی برکت دی کہ وہ مدینہ سے نکل کر باہر کھلی وادی میں رہائش پذیر ہو گیا۔ پہلے صحبت نبویؐ میں جمعہ اور جماعت کی سہولت تھی تو اس سے محروم ہو گیا' پھر زکوٰۃ کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کے طرزِ عمل پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ اسے بعد میں غلطی کا احساس ہوا' لیکن موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ بعد میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دَور میں زکوٰۃ کے جانور لے کر آتا رہا' لیکن شیخین نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن کر رہ گئی۔

کلامِ پاک میں دوسرا مقام جہاں حکمت کا ذکر آیا ہے' وہ سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع ہے جس میں حکمتِ لقمان کا نچوڑ باری تعالیٰ نے انتہائی بلیغ انداز میں کیا ہے۔ محض فطری صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے لقمان حکیم ان نتائج پر پہنچے کہ:

۱) حقیقی شکر کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
۲) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔
۳) والدین غیر مشروط حسن سلوک کے مستحق ہیں۔
۴) ہماری زندگی کا ہر عمل اور کائنات کی ہر شے اور معاملہ اللہ لطیف و خبیر کے علم میں ہے۔
۵) شکر خداوندی کے لیے نماز کی ادائیگی' اور حقوقِ انسانی کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ' اور

فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ادا کرنا ضروری ہے۔

۶) انسان کو باقی انسانوں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی حیثیت عرفی کا ادراک رہنا چاہیے۔ ان کے لیے فرعون نہ بنے' بلکہ عجز وانکساری اور محبت وشفقت کا پیکر بن کر رہے۔

علم حاصل کرنے کے ذرائع جو اللہ تعالیٰ نے جسمِ انسانی میں بنائے ہیں' وہ کان' آنکھ اور دل و دماغ ہیں۔ جبکہ حکمت کے حصول میں فطری صلاحیتیں جنہیں فطرتِ انسانی کی طبعی اساسات بھی کہہ سکتے ہیں' انسان کے کام آتی ہیں۔ چند نمایاں پیدائشی اور فطری صلاحیتیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ودیعت فرمائی ہیں' وہ یہ ہیں:

۱) اعلیٰ سے اعلیٰ کی جستجو کا جذبہ۔
۲) احسان مندی یا جذبۂ شکر۔
۳) خیر سے محبت اور شر سے اجتناب۔
۴) ذمہ داریوں کا احساس۔

یہ وہ فطری صلاحیتیں ہیں جن کو جمع کر لیا جائے تو اس کے لیے ایک بہترین لفظ ''تقویٰ'' استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہر انسان چاہے وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم' پیدائشی اور فطری طور پر یہ صلاحیتیں کم یا زیادہ اس میں موجود ہوتی ہیں۔ پھر ماحول اور معاشرہ ہے جو اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہر انسان کا کام ہے کہ ان صلاحیتوں کو کتنا اور کس طرح اپنے اندر اجاگر کرتا ہے۔ ایک بندۂ مؤمن جب ان صلاحیتوں سے کام لیتا ہے اور سنن ونوافل کا اہتمام کرتا ہے' بالخصوص تہجد کے وقت اللہ کے حضور کھڑا ہو کر آیاتِ الٰہیہ پر غور وفکر اور خود احتسابی کا عمل اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے حکمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور اسے بصیرتِ باطنی عطا ہوتی ہے اور راہِ مستقیم روشن نظر آتی ہے۔ گویا علم وحکمت مل کر نورِ ہدایت بن جاتے ہیں۔ اس وضاحت کی روشنی میں درج ذیل نکات اچھی طرح سمجھے جا سکتے ہیں:

۱) سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات میں قرآن مجید کا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْن ہونا۔
۲) نبوت سے پہلے غار حرا میں خلوت نشینی کی حکمت۔
۳) مقام صدیقیت۔
۴) اولیاء اللہ سے کشف وکرامات کا ظہور۔

غور کیجیے ان آیات کریمہ پر:

۱) ﴿..... اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ﴾ (المائدۃ:۹۳)

''..... جب وہ پرہیزگاری کی روش اختیار کریں اور ایمان لائیں (یعنی ثابت قدم رہیں) اور اچھے کام کریں' پھر پرہیزگاری کی روش اختیار کریں اور ایمان لائیں' پھر تقویٰ اختیار کریں اور احسان کے درجے پر فائز ہوں''۔

۲) ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِىْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ﴿۵۲﴾﴾ (الشوریٰ)

''اور اسی طرح (اے نبیؐ!) آپ کی طرف ہم نے ایک فرشتہ بھیجا اپنے حکم سے۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے' لیکن ہم نے رکھی یہ روشنی' اس سے ہم راہ سجھا دیتے ہیں جس کو چاہیں اپنے بندوں میں سے۔ اور بے شک آپ سیدھی راہ سجھاتے ہیں۔''

۳) ﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ﴿۳۵﴾﴾ (النور)

''اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی۔ مثال اس کی روشنی کی ایسے ہے جیسے ایک طاق ہو' اس میں ہو ایک چراغ۔ وہ چراغ دھرا ہوا ہو ایک شیشے میں۔ وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ ہو چمکتا ہوا' تیل جلتا ہے اس میں ایک برکت والے درخت کا' وہ زیتون ہے' نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف' قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اُس میں آگ۔ روشنی ہے روشنی پر۔ اللہ راہ دکھلاتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے۔ اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے' اور اللہ سب چیزوں کو جانتا ہے۔''

٤) ﴿اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۚ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۵﴾﴾ (لقمٰن)

''جو قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں

(باقی صفحہ 96 پر)

1980ء۔13 رجنوری کو ''یومِ جمہوریہ'' کا جشن منانے کی خوشی میں 13 سیاسی قیدیوں اور 200 مجرموں کو رہا کر دیا جاتا ہے۔صدر کے چالیس حریف گوریلے پیرس میں ٹوگو کے سفارت خانے پر چند روز کے لیے قبضہ کر لیتے ہیں۔

1993ء۔اگست میں انتخابات ہوئے۔صدر ایاڈیما نے 96 فیصد ووٹ حاصل کیے' لیکن صرف 36 فیصد رائے دہندگان نے ووٹ دیا تھا۔انتخابات سے ذرا پہلے حزب اختلاف کے لیڈروں نے الیکشن میں حصہ لینے سے احتجاجاً انکار کر دیا تھا۔

1996ء۔اگست میں وزیراعظم ایڈم کوڈجو نے استعفیٰ دے دیا تو منصوبہ بندی کے وزیر کو اسی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

1998ء۔اس سال صدارتی انتخابات ہوئے' جس میں صدر ایاڈیما پھر صدر منتخب ہوئے۔ تاہم حزب اختلاف نے دھاندلی کے الزامات لگائے۔

1999ء۔کوفی یوجین ایدوبولی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

2002ء۔آئین میں تبدیلی کی گئی تاکہ صدر تیسری بار انتخابات لڑ سکیں۔کوفی ساما کو وزیراعظم مقرر کیا گیا جو اَب تک اس منصب پر فائز ہیں۔

2003ء۔ایاڈیما پھر صدر بن گئے۔اس لحاظ سے وہ طویل ترین حکمرانی کرنے والے افریقی صدر بن گئے' یعنی چالیس سال مسلسل۔

بقیہ :تقربِ الٰہی کا پسندیدہ ذریعہ

جنھوں نے پائی ہے راہ اپنے ربّ کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔''

اقامتِ صلوٰۃ' ادائے زکوٰۃ اور آخرت پر یقین ہدایت کا دوسرا نام ہے۔لیکن ان فرائض کی ادائیگی انھی لوگوں کے لیے آسان ہوتی ہے جنھیں علم صحیح کے ساتھ ساتھ حکمت کا کوئی حصہ بھی نصیب ہوتا ہے۔علم صحیح کی عدم دستیابی اور اس کے لیے عدم دسترس کا نتیجہ باطنی بے بصیرتی اور بے حکمتی ہے جو اُن لوگوں کے اعمال اور اقوال سے ہر وقت چھلک رہی ہے جو علمِ کتاب و سنت سے دور ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے علومِ شر و فساد کے میدان کو اپنی آماج گاہ بنا لیا ہے۔ان کی عملی منصوبہ بندیاں' قانون سازیاں' انجمن سازیاں اور انتظامی عمل داریاں دنیا کے سامنے ہیں اور یہ سب سے بڑی گمراہی ہے۔ان کی قیادت میں انسانیت کی تذلیل ہو رہی ہے اور انسانیت اپنی منزل کھوٹی کر رہی ہے۔بالخصوص اُمت مسلمہ نے جب سے اللہ کی رسّی کو چھوڑ کر علومِ شر و فساد کو امام بنایا ہے اس کی کیفیت شتر بے مہار اور بے لنگر کے جہاز کی سی ہو چکی ہے جس کو دوبارہ منزل کی راہنمائی اہل کتاب و سنت پر فرض ہے۔oo

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (45)

ٹوگو

(Togo)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

ٹوگو : ایک نظر میں

سرکاری نام: جمہوریۂ ٹوگو
رقبہ: 56,785 مربع کلومیٹر
آبادی: 58 لاکھ تقریباً (لاہور سے بھی کم)
شرح افزائش: 2.33 فیصد
شرح پیدائش: 35 فی ہزار
گنجانی آبادی: 253 فی مربع میل
دارالحکومت: لوے (آبادی آٹھ لاکھ)
کرنسی: فرانک
زبانیں: فرانسیسی، رومی، مینا، کابی وغیرہ
نسلیں : افریقی 99 فیصد، یورپی اور عرب ایک فیصد
مذہب : قدیم قبائلی مذاہب 50 فیصد۔ عیسائی 28 فیصد۔ مسلمان 22 فیصد
شرح خواندگی: 67 فیصد
مجموعی قومی آمدنی: تقریباً 9 ارب ڈالر
فی کس سالانہ آمدنی: 1500 ڈالر
صنعتی شرح ترقی: 3.3 فیصد
افراطِ زر: 6 فیصد
قابلِ کاشت رقبہ: 47 فیصد
زراعت: کافی، کوکو، کپاس، چاول، گوشت، مچھلی
معدنیات: فاسفیٹ، سنگ مرمر، چونے کا پتھر
صنعت: کان کنی، پارچہ بافی، شراب سازی، سیمنٹ، زرعی مصنوعات
برآمدات: 398 ملین ڈالر (فاسفیٹ، کوکو، کافی، کپاس)
درآمدات: 501 ملین ڈالر (اشیائے صرف، پٹرولیم، مشینری اور پرزہ جات)
تجارتی ساتھی: یورپی ممالک، جاپان، امریکہ، افریقہ، چین، کینیڈا، تائیوان

ٹوگو میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اس کے باوجود یہ اسلامی سربراہ کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) کا رکن ملک ہے۔ یہ براعظم افریقہ کے جنوبی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں گھانا، شمال میں برکینا فاسو اور مشرق میں بنین واقع ہیں۔ خلیج گنی کی 32 میل لمبی ساحلی پٹی نشیب میں ہے اور ریتلی ہے۔ لوے اس ملک کی واحد بندرگاہ اور دارالحکومت ہے۔ ملک کا وسطی علاقہ پہاڑی ہے۔

اپنے دوسرے پڑوسیوں کی طرح ٹوگو کے عوام بھی انتہائی غربت اور اقتصادی بحران کے دن گزار رہے ہیں۔ ٹوگو کی آمدنی کا سب سے بڑا وسیلہ فاسفیٹ کی برآمد تھی، لیکن عالمی منڈی میں فاسفیٹ کی مانگ زیادہ نہیں رہی اور قیمتیں گر گئی ہیں۔ پھر یہ کہ ٹوگو گھانا اور نائیجیریا سے برابر عداوت رکھتا ہے، جس کی وجہ سے یہ دونوں ملک جب چاہتے ہیں ٹوگو کی سرحدیں بند کر دیتے ہیں۔

ٹوگو میں آباد لوگوں کے آباء واجداد چودھویں صدی میں دریائے نائجر کی وادی سے نقل مکانی

کر کے اس علاقے میں آباد ہوئے تھے۔سولہویں صدی میں برازیل کے سیاح اور تاجر یہاں آئے اور انہوں نے رہائشی بستیاں قائم کیں۔آئندہ دو صدیوں کے دوران میں یورپ کے سوداگر یہاں غلاموں کی تلاش میں آتے رہے اور غلاموں کے جہاز کے جہاز بھر کر یورپ لے جاتے رہے۔ انہوں نے اس علاقے کا نام ہی ''غلاموں کا ساحل'' رکھ چھوڑا تھا۔رفتہ رفتہ یہ علاقہ 1884ء میں جرمنی کے زیر انتداب آ گیا۔

1914ء۔پہلی جنگ عظیم چھڑنے پر ٹوگولینڈ کے مشرقی حصے پر فرانس اور مغربی حصے پر برطانیہ قبضہ کر لیتا ہے۔

1922ء۔لیگ آف نیشنز (انجمن اقوام) فرانس اور برطانیہ کے مقبوضات کو قانونی شکل دیتی ہے۔

1946ء۔اقوام متحدہ انتداب کو ختم کر کے تولیت میں بدل دیتا ہے۔

1956ء۔ برطانوی ٹوگولینڈ گولڈ کوسٹ سے ادغام کرنے کے حق میں ووٹ دیتا ہے۔ فرانسیسی ٹوگولینڈ کو فرانسیسی برادری کے اندر رہتے ہوئے خود مختار جمہوریہ قرار دیا جاتا ہے' لیکن اقوام متحدہ کی تولیتی کونسل اس طریق کار کو مسترد کر دیتی ہے۔

1958ء۔اقوام متحدہ کے زیر اہتمام انتخابات ہوئے۔اسمبلی میں یونین پارٹی واضح اکثریت سے آ جاتی ہے۔اس پارٹی کے لیڈر اولمپیو ملک کے وزیر اعظم منتخب ہوتے ہیں۔

1960ء۔ٹوگو کو جمہوریہ قرار دیا گیا۔

1963ء۔ 13 رجنوری کو یہاں پہلا فوجی انقلاب برپا ہوا' جس میں وزیر اعظم اولمپیو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔نئی حکومت کے صدر نکولس گرنٹر کی مأمور ہوئے۔

1967ء۔آرمی چیف آف سٹاف کرنل ایاڈیما نئی حکومت کا تختہ الٹ کر خود صدر بن گئے اور آج تک وہی صدر چلے آ رہے ہیں' البتہ بعد میں ''جنرل'' بن گئے۔فوجی حکومت قائم کر دی جاتی ہے۔آئین منسوخ کر دیا جاتا ہے۔سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے دیا جاتا ہے۔سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی جاتی ہے۔

1970ء تا 1977ء۔ ہر سال ایاڈیما کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش یا بغاوت ہوتی ہے' جسے سختی سے کچل دیا جاتا ہے۔

1979ء۔ایک ناکام بغاوت کے نتیجے میں 13 سازشیوں کو سزائے موت سنائی جاتی ہے' جن میں سابق صدر اولمپیو کے دو بیٹے بھی شامل تھے جو جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔نیا آئین بنایا جاتا ہے' جس کے تحت نئے انتخابات ہوتے ہیں۔کرنل ایاڈیما آئندہ سات سال تک کے لیے پھر صدر منتخب ہو جاتے ہیں۔

1980ء۔13/جنوری کو''یومِ جمہوریہ'' کا جشن منانے کی خوشی میں 13 سیاسی قیدیوں اور 200 مجرموں کو رہا کر دیا جاتا ہے۔صدر کے چالیس حریف گوریلے پیرس میں ٹوگو کے سفارت خانے پر چند روز کے لیے قبضہ کر لیتے ہیں۔

1993ء۔اگست میں انتخابات ہوئے۔صدر ایاڈیما نے 96 فیصد ووٹ حاصل کیے' لیکن صرف 36 فیصد رائے دہندگان نے ووٹ دیا تھا۔انتخابات سے ذرا پہلے حزب اختلاف کے لیڈروں نے الیکشن میں حصہ لینے سے احتجاجاً انکار کر دیا تھا۔

1996ء۔اگست میں وزیراعظم ایڈم کوڈجو نے استعفیٰ دے دیا تو منصوبہ بندی کے وزیر کو اسی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

1998ء۔اس سال صدارتی انتخابات ہوئے' جس میں صدر ایاڈیما پھر صدر منتخب ہوئے۔ تاہم حزب اختلاف نے دھاندلی کے الزامات لگائے۔

1999ء۔کوفی یوجین ایدوبولی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

2002ء۔آئین میں تبدیلی کی گئی تاکہ صدر تیسری بار انتخابات لڑ سکیں۔کوفی ساما کو وزیراعظم مقرر کیا گیا جو اَب تک اس منصب پر فائز ہیں۔

2003ء۔ایاڈیما پھر صدر بن گئے۔اس لحاظ سے وہ طویل ترین حکمرانی کرنے والے افریقی صدر بن گئے' یعنی چالیس سال مسلسل۔